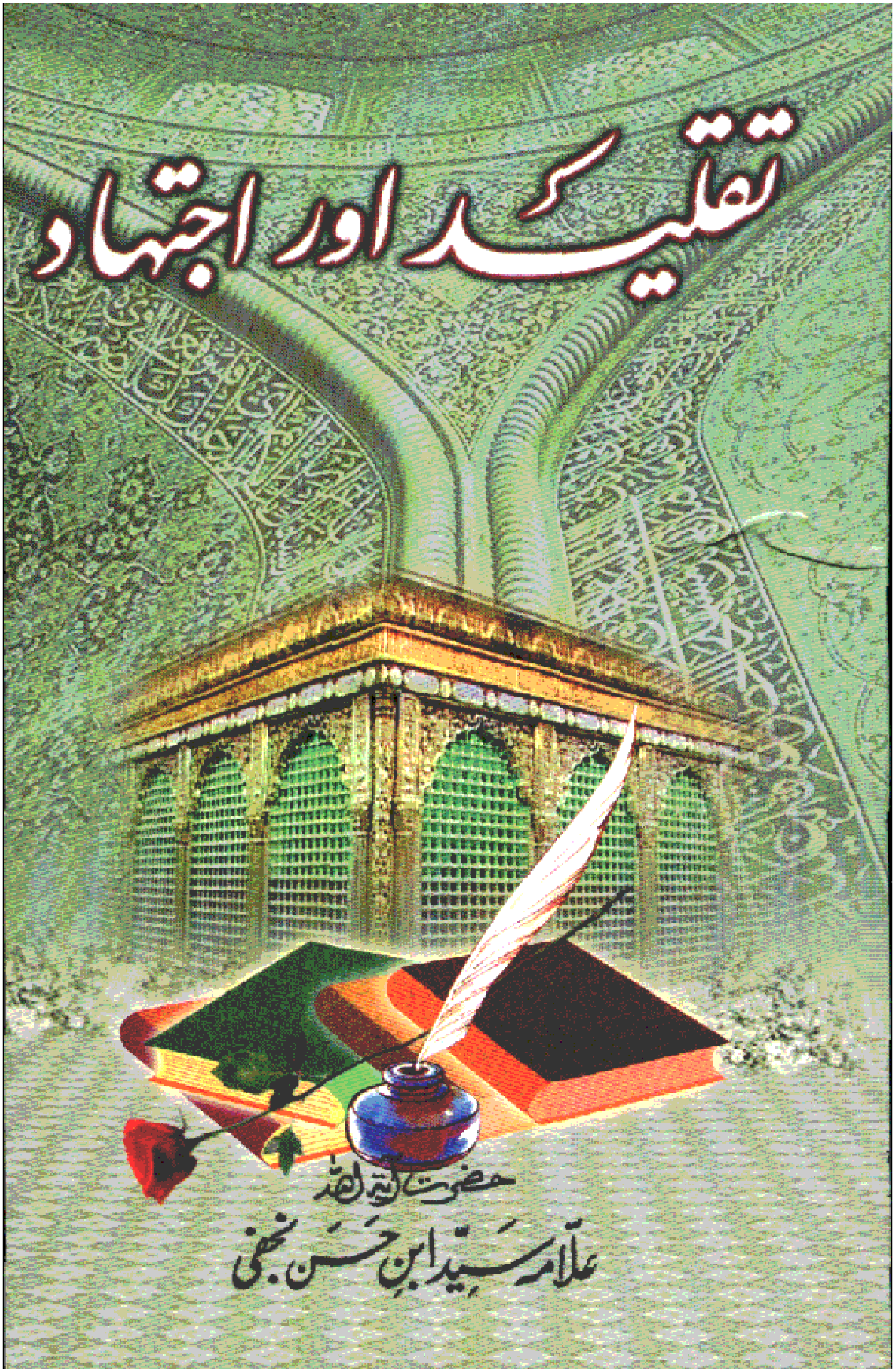

تقلید اور اجتہاد
حضرت آیۃ اللہ
علامہ سید ابن حسن نجفی

☆جملہ حقوق محفوظ☆

کتاب کا نام	: تقلید اور اجتہاد
مؤلف	: حضرت آیۃ اللہ علامہ سید ابن حسن نجفی
ناشر	: انتشارات دانشگاہ، قم، ایران
کمپوزنگ	: مولانا سجاد حسین قائمی
اشاعت سوم	: دسمبر ۲۰۰۳ء

فہرستِ مطالب

عنوان	صفحہ نمبر
عرضِ حال	۷
حرفِ اول	۱۳
تقلید کا مطلب	۴۳
فطرت کیا کہتی ہے	۵۱
عقل کی رہبری	۶۷
قرآن یوں رہنمائی کرتا ہے	۷۷
حدیث کا فیصلہ	۹۱
اور، یوں بھی ذرا غور فرمایئے!	۱۱۷
اچھا! اب تھوڑی سی زحمت اور	۱۴۴

عنوان	صفحہ نمبر
مکتب اجتہاد	
تفسیر حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام	۱۶۷
اجتہاد کی سرگذشت	۱۷۹
"الرسالۃ" پر ایک نظر	۱۹۳
مگر حقیقت یہ ہے	۲۰۷
غیبت صغریٰ کا دور	۲۲۵
آخری بات	۲۳۵
ہمارے مراجع تقلید	۲۴۱
کتاب نامہ	۲۵۱
	۳۱۱

بسم الله الرحمن الرحيم

عرضِ حال

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اسلام ہماری معاشرتی زندگی کا محض ایک حصہ
نہیں ، بلکہ پوری زندگی کا مکمل نظام ہے ۔

اس دین کی بتائی ہوئی راہ و روش کے آفاق گیر
دامن میں حیاتِ انسانی کے سکون و ارتقاء کا ہر سامان
موجود ہے ۔

سیاسی ، سماجی ، تعلیمی ، ثقافتی ، اخلاقی ،معاشی ،
دفاعی اور فلاحی اداروں میں سے کوئی ایسا ادارہ نہیں کہ
دین خدا نے جس کی مضبوط بنیادیں نہ ڈال ہوں ۔

اسلام رہتی دنیا تک باقی رہنے والا آئین ہے ، اور ملت اسلامیہ بھی قیامت تک زندہ سلامت رہے گی ۔ پھر جب حقیقت یہ ہو تو حیاتِ اجتماعی کے تقاضوں کو پورا کرنے کے لیے دوام پذیر اور متحرک قواعد و ضوابط کا ہونا ضروری ہے ، کیونکہ ہمیشہ رہنے والے قوانین ہی کے حوالے سے ہم ہر لحہ بدلتی ہوئی دنیا میں قدم جما سکتے ہیں ۔

اور اس کے لیے انتہائی جامع اور بڑا مستحکم فلسفۂ قانون درکار ہوتا ہے جو ہمارے اپنے زمانے اور ہر عہد کے ذہنی تقاضوں ، انفرادی ضرورتوں اور اجتماعی احتیاجات کو پورا کرنے کی صلاحیت رکھتا ہو ۔

شکرِ خدا کہ ہمارے فقہی ادارے اس استعداد کی

پرورش گاہ ؛ اور ہمارے فقہائے کرام قانون شناسی کی حیرت انگیز قابلیت سے آراستہ ہیں !

نیز یہی وہ نظریاتی قوت ہے جو قاعدے کے مطابق ، اصل مقصد کے لیے حرکت میں لائی جائے تو اسے ''اجتہادؔ'' کا نام دیا جاتا ہے ۔

اجتہاد کے ذریعے جو احکام دریافت ہوتے ہیں پھر اس کے بعد لوگ اپنے دور اور پسند کے مجتہد کے ان احکام کو قبول کر کے ان پر عمل کرتے ہیں تو اس کے لیے **''تقلید''** کا لفظ استعمال ہوتا ہے ۔

یہ پیش کش ، ان ہی دو اہم عنوانوں کی توضیح و تفہیم کی ایک کامیاب کوشش ہے ۔

خوش قسمتی سے اس علمی کاوش کو بھی حضرت آیۃ اللہ

علامہ سید ابن حسن نجفی کا دل کھینچ لینے والا قلم دستیاب ہو گیا .... ! پروردگارِ عالم انہیں زندہ سلامت رکھے ! ان کی خوش نگاری برقرار رہے ، نیز ہماری کوششوں کو تسلسل و دوام ملے اور قدر دانوں کی نگاہ میں شرف قبول حاصل ہو ۔

ادارۂ تمدن اسلام

کراچی ، پاکستان۔

حرف اول

آدمی کو جو بات نہیں آتی ، وہ اسے جاننا چاہتا ہے ۔ بچے اپنے بڑوں سے پوچھتے ہیں اور بڑے اپنے سے زیادہ قابلیت رکھنے والوں کا سہارا لیتے ہیں ! یہی زمانے کا چلن ہے !

مگر ، خاص طور پر مذہبی مسائل کے بارے میں لوگ زیادہ حساس ، اور ان کی اکثریت صحیح باتوں سے بے خبر ہوتی ہے ۔ لہذا یہ سب کے سب ، دین کا علم رکھنے والے معتبر بزرگوں سے اپنی مشکلیں حل کرواتے

رہتے ہیں ۔ یہی انسان کی فطرت ہے ، آئینِ اسلام کا فیصلہ ہے ! نیز اسی طریقِ کار کو شریعت کی زبان میں " تقلید" کہا جاتا ہے ۔

تقلید سے متعلق لوگوں کی مختلف آراء :

تقلید سے متعلق مختلف لوگوں سے مختلف آراء سننے میں آتی ہیں جن کا خلاصہ درج ذیل ہے ۔

☆ بعض حضرات اسے بدعت سمجھتے ہیں ۔

☆ کچھ لوگ اسے " پیری مریدی " کا نام دیتے ہیں ۔

☆ ایک طبقہ " تقلید " کو علمائے دین کا جبر قرار دیتا ہے ۔

☆ اس عنوان سے تبصرہ کرنے والے بھی پائے جاتے ہیں کہ یہ عمل ایک طرح کی ذہنی غلامی ہے ۔ وہ فرماتے ہیں کہ "اسلام نے اس طریقِ کار کی مذمت کی ہے ! ان کے خیال میں قرآن حکیم نہایت سہل اور بڑی سہج سی کتاب ہے ، لہذا ہم اسی سے اپنے سوالوں کا جواب کیوں نہ لیں ..... !؟

☆ اس کے علاوہ اللہ کے کلام اور چہاردہ معصومین علیہم السلام کی تعلیمات میں بھی "تقلید" کے لیے کوئی معتبر دلیل نہیں ملتی ! نیز شیعوں کی تاریخ دیکھیے تو خاصی لمبی مدت تک ، نہ کہیں تقلید کا چرچا سنائی دے گا اور

نہ کسی جگہ "اجتہاد" کے آثار نظر آئیں گے !

☆☆☆☆☆

لیکن ! حقیقت یہ ہے کہ تقلید اور اجتہاد کے بارے میں یہ ساری باتیں مطالعے کی کمی اور تحقیق و جستجو سے لگاؤ نہ رکھنے کا اشتہار ہیں ۔

کیونکہ حقیقت یہ ہے کہ

☆ تقلید نہ کسی طرح کی بدعت ہے نہ کوئی نئی ایجاد ، اسے تو ہر جہت سے علم و آئین کی بات کہنا چاہیے ۔

☆ اسی طرح ، یہ نہ تو کسی مرشد کی بیعت ہے ، اور نہ کسی پیر کی تابعداری !

یہ خالص علمی ، فکری اور زندگی کا ایک جیتا جاگتا باوقار رویہ ہے ۔

☆ نیز اس قاعدے میں نہ کسی قسم کی زبردستی ہے اور نہ کوئی جبر شامل ہے ! بات صرف یہ ہے کہ جسے اپنے دین کی سلامتی ، اور اپنے اعمال کی صحت عزیز ہو تو اسے چاہیے کہ شریعت کے مسائل و معاملات میں اپنے وقت کی سب سے زیادہ باخبر ہستی سے رجوع کرے ۔ اسی سے اپنے سوال کا جواب لے ۔ اس معیاری شخصیت کو مجتہد یا مرجعِ تقلید کہتے ہیں ۔

مرجعِ تقلید پر اعتماد کی وجہ ، ان کی اعلمیت ہے ۔ یعنی ! اپنے زمانے کے تمام دانشوروں پر انہیں

برتری حاصل ہوتی ہے ۔

☆ اچھا ! جو حضرات تقلید کو فکر کی آزادی کے خلاف جانتے ہیں ، ان کی خدمت میں گزارش ہے کہ اس دنیا میں کوئی کام بے سمجھے بوجھے انجام کو نہیں پہنچتا ۔ پھر جو چیز ہمارے علم میں نہ ہو ، اسے معلوم کرنا تو ذہن کی تہذیب ، حریتِ فکر اور وسعتِ خیال کی دلیل ہے !

☆☆☆☆☆

رہا ، قرآن کے آسان ہونے کا مسئلہ ، تو آئین و قوانین کا یہ مجموعہ اتنا سہل بھی نہیں کہ جس کا جی چاہے اپنے آپ اس کے مطلب تک پہنچ جائے ۔ مثلاً قرآن میں ہے کہ :

"نماز پڑھو اور زکوٰۃ دو"۔

اب اس سے نماز کی ہیئت ، اس کے ارکان اور پھر درست و نا درست کی تفصیل ، اسی طرح ، فریضۂ زکوٰۃ کے شرائط اور اس سے وابستہ امور کی توضیح و تشریح کیسے ممکن ہوگی ؟

اس کے علاوہ اصل مقصد تک پہنچنے کی پہلی منزل پر سب سے بڑی مشکل ، زبان ہے ! کلام مجید عربی میں اترا ہے ، اور اس زبان کے پھیلاؤ ، باریکیوں اور گہرائی تک پہنچنے میں ، خود اہلِ زبان کی ہمت بھی جواب دے جاتی ہے !

عربی کا ایک ایک لفظ ہی نہیں ، حرف حرف ، اپنے دامن میں طرح طرح کی کیفیتیں لیے ہوئے ہے۔

مثال کے طور پر ، جس لفظ کے اخیر میں "ح" لگی ہوئی ہو تو اس سے زور شور ، جوش و خروش ، نیز تیزی اور غلبے کا اظہار ہوگا ۔ جیسے : صَا حَ ۔

اب صَا حَ سے بولنے کا نہیں ، چیخنے چلانے کا مفہوم نکلتا ہے ۔ یا فا حَ ، اس لفظ سے مراد ہے کسی " سیّال " بہنے والی چیز کا اُبل پڑنا ، چھلک جانا ، اور وہ خوشبو جو ہوا کے جھونکے کے ساتھ آکر ساری فضا کو مہکا دے ۔

اسی عنوان سے سَا حَ کو لے لیجیے ۔ یہ گھومنے پھرنے والے جہاں گشت سیلانی یا پھر پانی کے رواں دواں ہونے کی حالت کو ظاہر کرتا ہے ۔

نیز نَا حَ بلبلا کر ، بے اختیار نوحہ گری یا تڑپ تڑپ کر بین کرنے کے موقع پر استعمال ہوگا !

اب ملاحظہ کیجیے ! کہ ''ح'' لگے ہوئے ان تمام الفاظ میں معنوی اعتبار سے کتنی قریبی رشتہ داری ہے ! جس لفظ پر غور کیجیے ، معلوم ہوگا وہ ایک طرح کی سرگرمی ، ولولے اور کثرت کا پتہ دے رہا ہے ۔

اسی عنوان سے اگر کسی لفظ کا آغاز '' غ '' سے ہوا ہے تو یہ چھپنے ، آنکھوں سے اوجھل ہونے یا ڈوب جانے کے معنی دے گا ۔

جیسے : **غابَ** ، **غَرَق** اور **غَرَبَ** وغیرہ ۔

اور جو کلمات '' ن اور ف '' سے شروع ہوتے ہیں وہ عموماً ایسے موقعوں پر برتے جاتے ہیں جب باہر نکلنے ، نکالنے ، پھونکنے ، پھلانے ، ختم ہونے ، جاری کرنے ، سوجنے ، ٹھنڈی ہوا چلنے اور خوشبو سے

پورے ماحول کے معطر ہونے کی بات ہو ۔

مثال کے طور پر :

نَفَحَ ، نَفَخَ ، نَفَدَ اور **نَفَذَ** وغیرہ ۔

ان سب لفظوں میں کچھ چیزوں کے اثر ڈالنے اور کچھ کے اس کی تاثیر قبول کرنے کا مفہوم پوشیدہ ہے ۔

بہر کیف ! ہمارا یہ مقصد نہیں کہ ان اوراق میں تازی زبان و ادب کے مزاج اور اس کے تقاضوں کی وضاحت کریں ۔

یہ تو چند عام سی باتیں تھیں جو اس وقت یاد آگئیں ، ورنہ عربی بول چال کے رنگ ڈھنگ سمجھنے کیلئے اعلیٰ تعلیم کی بیسیوں درسی کتابیں دنیا بھر میں پھیلی ہوئی ہیں۔ اس کے سوا مُغنی اللَّبِیب ، اور ابن الجنّی کے

''الخصائص'' نیز ابن سیدہ اندلسی کے ''المخصص'' جیسے ضخیم کلاسیکی مجموعوں سے بھی اکثر دانشور آگاہ ہیں ۔

پھر جزوی طور پر بھی اگر کوئی آدمی خدا کے کلام کو سمجھنے کی کوشش کرے تو اسے زبان و بیان کے تمام قاعدوں پر حاوی ہونے کے علاوہ قرآن مجید کا مزاج جاننے والی قیادت سے ہمیں جو بیش بہا نکات اور رہنما اشارات ملے ہیں انہیں بھی قبلۂ نگاہ بنانے کی ضرورت ہے ۔ اس موقع پر ہم سرورِ دو جہاں حضور نبی اکرم ؐ کی ایک تفصیلی حدیث کے چند حصوں کو آنکھوں کی زینت بنانے کی سعی کرتے ہیں ۔
آنحضرت ؐ ارشاد فرماتے ہیں :

"لَهٗ ظَهْرٌ وَ بَطْنٌ، فَظَاهِرُهٗ حُكْمٌ
وَ بَاطِنُهٗ عِلْمٌ، ظَاهِرُهٗ اَنِيْقٌ وَ
بَاطِنُهٗ عَمِيْقٌ، لَهٗ نُجُوْمٌ وَعَلٰى
نُجُوْمِهٖ نُجُوْمٌ۔"

"قرآن کریم کے دو رخ ہیں ۔
ایک نظروں کے سامنے ہے اور دوسرا حصہ
آنکھوں سے اوجھل ہے ۔ اب جو بالکل
عیاں ہے وہ احکام و قوانین سے بھرپور
ہے ۔

اور وہ پہلو جو پوشیدہ رکھا گیا ہے
اسے علم و حکمت اور عرفان و آگہی کا
سر چشمہ جانیے ۔ اس کے ظاہر کو

دیکھیے تو حدِ نگاہ تک حُسن ہی حُسن

اور مسرت ہی مسرت دکھائی دے گی

اور باطن پر نظر ڈالیے تو اتھاہ گہرائی

ملے گی ۔ اس کے اوراق ستاروں سے

سجے ہوئے ہیں ،

(یعنی ! روشن دلیلیں جگر جگر کر رہی ہیں)

اور ان دلیلوں پر مزید دلائل ضیاء بار

ہیں ۔" [۱]

نیز قرآنی فلسفے اور اس کے تمام اسرار و رموز کے سب سے بڑے عارف امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ نے اپنی ایک تقریر میں نہایت جامع طریقے سے

---

[۱] اصول کافی ، ج: ۲ ، ص : ۴۳۸ ۔ طبع مکتبہ اسلامیہ تہران

ان ”امور“ کا تذکرہ فرمایا ہے اور ان اہم مقامات کو پہچنوایا ہے جن کی تفصیل جانے بغیر خدا کی کتاب سے استفادہ محال بن جاتا ہے۔

حضرتؑ ارشاد فرماتے ہیں:

”کِتَابَ رَبِّکُمْ فِیْکُمْ مُبَیِّناً
حَلَالَہٗ وَحَرَامَہٗ،
وَفَرَآئِضَہٗ وَفَضَائِلَہٗ،
وَنَاسِخَہٗ وَمَنْسُوْخَہٗ،
وَرُخَصَہٗ وَعَزَآئِمَہٗ،
وَخَاصَّہٗ وَعَامَّہٗ،
وَعِبَرَہٗ وَاَمْثَالَہٗ
وَمُرْسَلَہٗ وَمَحْدُوْدَہٗ،

وَمُحْکَمَہٗ وَمُتَشَابِهَہٗ،

" جناب رسالت مآبؐ تمہارے
پالنے والے کی کتاب تم میں چھوڑ کر
گئے ہیں اور حضورؐ نے یہ بھی کھل کر
بتا دیا ہے کہ اس میں حلال کن کن
چیزوں کو کہا گیا ہے اور حرام کسے
قرار دیا گیا ہے ۔ واجب کا کیا مطلب
ہے ،مستحب سے کیا مراد لینا چاہیے ۔
سرکارؐ نے ناسخ آیتوں کا بھی حال
بتایا ہے ، منسوخ کا بھی تذکرہ فرمایا
ہے ۔ مجبوری میں اپنے اختیار کو کام میں
لانے اور جہاں قطعی طور پر پابندی

ضروری ہے ان احکام پر بھی روشنی
ڈالی ہے ۔ خاص اور عام کی بھی
نشان دہی فرمائی ہے ۔ سبق آموز
باتوں اور فکر انگیز واقعات سے بھی
واقف کروایا ہے ۔ جن امور میں
از خود کچھ کرنے کی اجازت ہے نیز
جنہیں بجا لانے کے مناہی ہے ان کی
وضاحت بھی فرمادی ہے ۔ ان کے علاوہ
جو صاف صاف آسانی سے سمجھ میں آنے
والے حقائق تھے اور وہ مسائل جو
ایک عام آدمی کی فہم و فراست کیلئے
دشوار تھے ، رحمتِ دو عالمؐ نے ان

پر بھی گفتگو فرمائی ہے''۔ [۱]

سرکار ختمی مرتبت ؐ کے حوالے سے حضرت امیرؑ لوگوں کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ قرآن سب کا ہے، سب کے واسطے ہے۔ نیز اس کے فیض اور فائدے کو عام کرنے کے لیے زبانِ رسالت ؐ نے اس کے قدرے مشکل مقامات کی توضیح و تشریح بھی فرما دی۔

مگر یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس کے باوجود کیا کوئی سنجیدہ آدمی ایمان داری کے ساتھ کہہ سکتا ہے کہ '' صاحب منبرِ سلونی '' نے جن خاص نکات کی جانب اشارہ فرمایا ہے، وہ اتنے آسان ہیں کہ ہر شخص اپنے آپ ان کے صحیح مطلب و مقصد تک

---

[۱] نہج البلاغہ، پہلا خطبہ، ص:۴۴، ترتیب و تشریح ڈاکٹر صبحی صالح، طبع بیروت ۱۳۸۷ھ

پہنچ جائے گا ، عمل کے سلسلے میں خود ہی ان کی تفصیل معلوم کرلے گا ؟

مثلاً : فرائض ، فضائل ، ناسخ ، منسوخ ، رخص ، عزائم ، خاص ، عام ، عبر ، امثال ، مرسل ، محدود ، محکم ، متشابہ ، مجمل اور غوامض وغیرہ۔

ہاں ! ضمیر میں اگر ذرا بھی جان باقی ہے تو ہر انسان ہانکے پکارے کہے گا کہ نہیں ! ہرگز نہیں ! جب تک کوئی ٹھیک سے بتانے والا بتائے گا نہیں ، اس وقت تک کام کی کوئی بات پلّے نہیں پڑے گی !

لہذا لگاتار اس پہلو پر اصرار کہ قرآن بہت سہل کتاب ہے۔ بنا بریں ہمیں صرف اور صرف قرآن ہی سے رجوع کرنا چاہیے اس میں ہمیں ہر سوال کا جواب مل

جائے گا۔ نیز ہمارا دماغ جیسا بھی ہے وہ لُغت کے سہارے کلامِ خداوندی کے ہر اشارے کو جا لے گا اور ہر کنائے کو پالے گا !

این خیال است و محال است و جنوں !

ایک اور بات !

اور یہاں یہ یاد دہانی بھی بے جا نہ ہوگی کہ اس مقدس کتاب پر کئی ایسے کڑے وقت آئے ہیں جب اس کو اس کے مزاج کے خلاف استعمال کرنے کی نیت باندھی گئی! پہلا قیامت خیز موقع تو وہ تھا جب سرورِ کائناتؐ نے وصیت لکھنے کے لیے قلم اور کاغذ طلب فرمایا، لیکن جواب یہ ملا کہ اب لکھنے لکھانے کی کیا ضرورت؟

"ہمارے لیے اللہ کی کتاب کافی ہے۔" [۱]

اس طرح قرآنِ حکیم سے اس کے واقعی مفسر، طبیعت شناس اور بھروسے کے ساتھی یعنی! اہلبیت اطہارؑ کو الگ کرنے کی بنیاد ڈالی گئی!

پھر دوسرا افسوس ناک واقعہ اس وقت پیش آیا جب صفین کی جنگ ٹھنڈی پڑی تو فوج کے ایک دستہ نے حضرت امیرؑ کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے کی بجائے "لا حکم الا اللہ" (کسی کا حکم نہیں چلے گا، خدا کا

---

[۱] صحیح بخاری، شرح کرمانی۔ جلد : ۲، کتاب العلم، حدیث : ۱۱۴، ص : ۱۲۶
طبع : احیاء التراث العربی، بیروت۔ دوسرا ایڈیشن۔
خیال رہے کہ بخاری نے اپنی صحیح میں چھ مقامات پر یہ حدیث نقل کی ہے۔
نیز مسلم ابن حجاج نے بھی اپنی صحیح میں تین تین مرتبہ اس حدیث کو درج کیا ہے۔
ملاحظہ ہو : ج : ۲ کتاب الوصیۃ، ح : ۲۱، ج : ۳، ص:۱۲۵۷ تا ۱۲۵۹، طبع بیروت۔
اس کے علاوہ اس وقت کوئی بیس بڑے بڑے محدثوں اور مؤرخوں کے علمی مجموعے ہمارے سامنے ہیں جن میں یہ بات لکھی ہوئی ہے۔

حکم زندہ باد) کے نعرے لگانا شروع کردیے ... !

تاریخ بتاتی ہے کہ کافی عرصہ تک اس سرکش جتھے نے ، جی بھر کے خونِ ناحق سے اپنے ہاتھ رنگے ۔ [1]

پھر صدیوں بعد ۱۰۲۵ھ کے لگ بھگ شیعہ مذہب سے تعلق رکھنے والے خاصے معروف دانشور '' ملا امین استرابادی '' نے مکہ معظّمہ میں اپنے استاد '' میرزا محمد استرابادی '' کے کہنے پر '' الفوائد المدنیۃ '' نام کی ایک کتاب لکھی جس کے مضامین سے مکتبِ تشیع میں بڑی بے چینی پیدا ہوئی ۔

---

[1] جن لوگوں نے یہ ہانک لگائی تھی وہ زرعہ ابن البرج الطائی اور حرقوص ابن زہیر السعدی کہلاتے تھے ۔ تاریخِ طبری ، ج:۵ ، ص:۷۲ ، طبع بیروت ، کامل ابن اثیر ، ج:۳ ، ص:۳۳۴، طبع بیروت

"الفوائد المدنیہ" کے باعث ایک نئے مسلک کا آغاز ہوا جسے اخباریت کہا جاتا ہے! اخباری حضرات نے بھی قرآن کے ساتھ انصاف نہیں کیا۔ [1]

اس کے بعد موجودہ صدی کے آغاز میں ایک اور صاحب کھڑے ہوئے۔ لاہور کی مسجد وزیر خاں سے انہوں نے اپنی آواز بلند کی۔ کہتے تھے کہ ہمارے ہر دکھ درد کی دوا قرآن میں ہے، اور ہم کو اپنی تمام ضروریات پورا کرنے کے لیے صرف اور صرف

---

[1] اخبار، "خبر" کی جمع ہے اور علمائے اسلام کی زبان میں رسول و آلِ رسول کے ارشاد کو خبر کے لفظ سے یاد کیا جاتا ہے۔ نیز جس طبقے کو اخباری کہتے ہیں تو اس کا باعث یہ ہے کہ اس مسلک کے لوگ حدیثِ معصوم (اخبار) ہی کو شرعی احکام کا سرچشمہ مانتے ہیں اور قرآن کے بارے میں ان کا خیال یہ ہے کہ اس کے مطالب تک ہمارے ذہن کی رسائی نہیں۔ لہذا ضرورت کے وقت ہمیں صرف اخبار (حدیث) کا سہارا لینا چاہیے۔ انشاء اللہ اجتہاد کے سلسلے میں جب گفتگو ہوگی اس وقت اس موضوع پر تفصیل سے بحث کی جائے گی۔

اللہ کی کتاب سے رجوع کرنا چاہیے ۔

انجام کار ، بہت سوں نے جس طرح چاہا خدا کے کلام کو ازخود سمجھا اور سمجھانا شروع کردیا ۔ پڑھے لکھے اور باحیثیت اشخاص میں ، جناب اسلم جیراج پوری ، خاصے نمایاں ہوئے ، اور اب ان ہی کے جانشین اور ادارۂ طلوعِ اسلام کے سربراہ جناب پرویز صاحب ، اس فکر کو آگے بڑھانے میں مصروف ہیں ۔ مگر تاثیر بہت ہی سست ہے !

البتہ ، ایران کے اسلامی انقلاب کی کامیابی کے ساتھ اکثر جگہوں پر ایک نئی لہر آگئی ! جس کے پیچھے مذہبی جذبہ کم اور سیاسی شعور کی لپ جھپ زیادہ دکھائی دیتی ہے ، اور جو اس کی زد میں آئے ہیں

ان میں بیشتر افاضل ، مغربی طرز کی درس گاہوں کے پڑھے ہوئے یا ان سے متاثر افراد ہیں !

بس ! یہ لوگ ایکا ایکی مرجعیت اور اجتہاد کے خلاف صف آرا ہو کر تقلید کے نظام کو درہم برہم کرنے کے درپے ہوگئے ، اور اس مہم کو سر کرنے کے لیے قرآن کو بیچ میں لے آئے !

آج کل ہمیں عربی زبان میں شائع ہونے والے کوئی بیس ۲۰ معیاری رسالے دیکھنے کا موقع مل رہا ہے ؛ ان میں سے اسی ۸۰ فیصد مشرقی ملکوں میں چھپتے ہیں ! لیکن مزے کی بات یہ ہے کہ ان رسالوں کے اشاعتی ادارے یا تو عیسائیوں کی ملکیت ہیں ، یا اُن کے ہاتھ میں جو اجتہاد کے نام سے بھناتے ہیں ۔

مگر نئے سب کی ایک ہے !

ہاں ! حیرت کی بات یہ ہے کہ ذیلی برّاعظم ہندوستان میں اس تحریک سے اثر لینے والوں کی رفتار بہت تیز ہے ۔ خاص طور سے لکھنؤ اور حیدرآباد دکن وغیرہ میں بڑی گرما گرمی پائی جاتی ہے ! کوشش ، کراچی اور لاہور میں بھی جاری ہے ، لیکن یہاں پکڑ ذرا ڈھیلی ہے !

اور غالبًا اسی لیے منبر کو بڑی فراخدلی سے استعمال کیا جارہا ہے ، نیز خطیب بھی اکثر باہر سے بلائے جاتے ہیں !

کہا جاتا ہے کہ ایران کو نیچا دکھانے کے لیے " حرف و حکایت " کا یہ سامان کرائے پر لیا جاتا ہے ،

اور ادائیگی ، سمندر پار کے سرمایہ کاروں کے ذریعے ہوتی ہے ۔

دیکھیے پہنچے کہاں تک شورشِ دل کا اثر
صرصرِ وحشت کا یہ شعلہ ہے بھڑکایا ہوا

بہرحال ، اگر جواب یہ ہو کہ :

ان باتوں کو قرآن نہیں ، تو حدیث و سنت کے مجموعوں سے ڈھونڈ نکالیں گے ! سیرتِ طیبہ سے معلوم کرلیں گے !

لیکن یہاں مشکل یہ پیش آئے گی کہ اس سے کچھ تلاش کرکے نکالنے کے لیے بھی عربی زبان و ادب کی گہرائی اور گیرائی سے مکمل آگہی ، فقہی بصیرت

کی موجودگی ، نیز روایت و درایت کے قاعدوں کو جاننا اور علمِ رجال سے باخبر ہونا ضروری ہے ۔ اس کے بغیر یہ مہم سر ہونے والی نہیں !

چنانچہ عقل و شرع کا فیصلہ یہ ہے کہ جو آدمی " فقہی " احکام سے واقف نہ ہو وہ دینی علوم پر گرفت رکھنے والے کسی دانش مند سے معلوم کر کے ان پر عمل پیرا ہو ... ! یہی خدا کا حکم ، رسولؐ کی تعلیم ، ائمہؑ کی تلقین نیز علماء کا ارشاد ہے اور ہماری تاریخ بھی لگاتار یہی کہتی چلی آرہی ہے ۔

آیئے ! اب آگے بڑھتے ہیں اور علمی طریقوں سے تقلید و اجتہاد کا جائزہ لے کر قلب وضمیر کے لیے اطمینان و سکون حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں ۔

تقلید

کا

مطلب!

عربی زبان کے لفظوں کی اصل نسل جاننے اور ان کے معنی اور مقصد کو پہچاننے کے لیے جو کتابیں لکھی گئی ہیں انہیں کھول کر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ تقلید کا لفظ اپنے دامن میں کئی مطلب سمیٹے ہوئے ہے !

گلے میں ہار ڈال لیں ، گلوبند باندھ لیں یا مالا پہن کر گردن سجالیں ، یہ سب کام تقلید کہلائیں گے ،

کیونکہ تقلید کی ساخت قلادۃ سے ہوئی ہے ۔ جس کا مفہوم یہ بتایا گیا ہے :

القلادة : ما جعل فی العنق

" جو چیز گلے میں ڈال لیں یا پہنا
دی جائے اسے قلادہ کہتے ہیں ۔"

علاوہ اس کے اگر کسی آدمی کو کوئی ذمے داری سونپ دی جائے تو اسے بھی تقلید کا نام دیا جائے گا۔ اس کے سوا کسی کے نقشِ قدم پر چلنے ، کسی کی رِیت اپنانے یا کسی کی نقالی کرنے کے لیے بھی ، اسی لفظ کا استعمال ہوتا ہے ... !

ہاں ! تلوار کا پرتلا حمائل کرنے کے واسطے بھی یہی لفظ کام میں آتا ہے اور نشانی کے طور پر قربانی کے

اونٹوں کی گردن میں جو پٹہ یا رسّی ڈال دیتے ہیں اسے بھی تقلید کہتے ہیں ۔ [1]

اچھا ! یہ تو ہوا اس لفظ کے بارے میں ”اہلِ زبان کا معاملہ !“ اب آیئے ، اس خصوص میں ذرا ”قانون اور فلسفۂ قانون“ کے ماہروں سے بھی پوچھتے ہیں کہ وہ تقلید کا کیا مطلب لیتے ہیں ؟ کیونکہ یہ ان ہی کی اصطلاح اور ان ہی کے موضوع کا حصہ ہے ۔ تو اس سلسلے میں جواب یہ ملتا ہے :

”دینی معارف سے ناواقف شخص اگر

---

[1] ملاحظہ ہو : لسان العرب ، ابن منظور ، ج:۳ ، ص:۳۶۶، طبع بیروت ۔
تاج العروس ، محمد مرتضیٰ زبیدی ، ج:۲ ، ص:۴۷۵ ، طبع بیروت ۔
مصباح المنیر ، احمد بن محمد فیومی ، ج:۲ ، ص:۵۱۲ ، طبع قم ۔ العین ، ص:۶۸۳ ۔
مفردات ، راغب اصفہانی ، ص:۴۱۱ ، طبع بیروت ۔ المنجد ، ص:۶۴۹ ، طبع بیروت ۔

اسلامی علوم میں مہارت رکھنے والے
عالم کی بات کو یا ان کے تلاش
کیے ہوئے حکم کو بجا لانے کے لیے
بے حیل و حجت قبول کر لے یا پھر
دوسرے لفظوں میں یوں کہہ لیجیے کہ
جو آدمی خود فقیہ نہ ہو وہ کسی مانے
ہوئے مجتہد سے دلیل مانگے بغیر،
چپ چاپ ان کے فتوے پر عمل درآمد
کی نیت سے یا اسے برتنے کے ارادے
سے مان لے تو بس! یہی تقلید ہے۔" [1]

---

[1] کفایۃ الاصول، آخوند محمد کاظم خراسانی، ص:۴۷۲، طبع بیروت۔
العروۃ الوثقیٰ، علامہ محمد کاظم طباطبائی، ج:۱، ص:۳۰، طبع کویت۔

یہاں اس اہم نکتے پر توجہ دینا بہت ضروری ہے :

جو حضرات تقلید کے فلسفے کو نہیں سمجھ پائے ہیں ۔ انہوں نے یہ افواہ اڑا رکھی ہے کہ تقلید ، کسی خاص ہستی کی اطاعت گزاری اور فرماں برداری کو کہتے ہیں ۔ جبکہ تمام مراجع ، جملہ فقہاء اور سارے مجتہد اس کا یہ مطلب بیان کرتے ہیں کہ سعی بلیغ کے بعد ، مسلمہ قواعد کے مطابق اگر کوئی مجتہد شریعت کے کسی حکم کی کھوج لگائے تو ایک عام آدمی کو اسے قبول کرلینا چاہیے ۔ یہ رویہ کسی شخص کی مریدانہ پیروی نہیں ،بلکہ ایک قابل ہستی کے ذریعے نظامِ شریعت اور مذہبی قوانین پر عمل درآمد کا معتبر طریقہ ہے !

جناب امیرؑ نے بھی جنگِ صفین کے موقع پر

ثالثی کے ضمن میں فرمایا تھا : خاموش حکم نامے (قرآن) کو ترجمان کی ضرورت ہے اور یہ ترجمان کوئی شخصیت ہی ہوسکتی ہے ۔ [۱]

---

[۱] نہج البلاغہ ، خطبہ:۱۲۵ ، ص:۱۸۲ ، تنظیم و ترتیب : ڈاکٹر صبحی صالح ، طبع بیروت ۔

فطرت

کیا

کہتی ہے؟

تقلید کی بات باہر سے لوگوں پر نہیں تھوپی گئی ہے ، بلکہ یہ آدمی کی گھٹی میں پڑی ہوئی ہے ۔ اس کی فطرت میں جڑی ہوئی ہے !

اور یاد رہے ! جو باتیں انسان کی سرشت میں گندھی ہوئی ہوتی ہیں ، وہ کسی کے سکھانے پڑھانے سے نہیں آتیں ، بلکہ اندر ہی اندر پھپکتی ہیں ۔ پھر دنیا بھر میں ہر جگہ ،آدمیوں کے ہر طبقے اور ہر صنف میں

اپنے آپ نمود کرتی ہیں اور نتیجۂ فرزندانِ آدم خودبخود ان کے تقاضوں کی گرفت میں چلے جاتے ہیں ! پھر نہ کوئی ان مطالبوں کو رد کرسکتا ہے اور نہ بے اثر بنا سکتا ہے !

مثال کے طور پر :

حقیقت کو پہچاننے کی خواہش حسن و زیبائی کو آنکھوں سے لگائے رکھنے کی آرزو ، کمال کو پہنچنے کی چونپ ، معلومات بڑھانے کی للک ، تعظیم و تکریم سے رغبت ، ایثار و قربانی کا احساس ، اور خیر و خوبی کو اپنانے کا شوق !

ان میں سے ہر کیفیت دل کی گہرائیوں سے اُبھرتی ہے ، اور اگر یہ رُخ ظہور میں نہ آتے تو

نہ کوئی شخص کسی کو آئیڈیل (Ideal) بناتا اور نہ کوئی قوم کسی کو ہیرو (Hero) مانتی !

اس عنوان سے تقلید بھی فطرت کی ایک سچی خواہش ہے ۔ دیکھیے ! نکتہ آفرینی کرنے والوں کی خوشہ چینی زندگی کا سب سے بڑا اور بے ساختہ اظہار ہے ! اگر اقوامِ عالم تقلید چھوڑ دیں ۔ یعنی ! کمالات سے منہ موڑ لیں ۔ ہنر مندی سے بے تعلق ہوجائیں ۔ مہارتوں کو خاطر میں نہ لائیں تو کیا پھر یہ امید باندھی جاسکتی ہے کہ ان کے ہاں شہریت کو فروغ ملے گا ۔ سماجی زندگی میں نکھار آئے گا ۔ ایجادیں پنپ سکیں گی ۔ صنعتیں ترقی کریں گی ۔ تجارت کا بازار گرم ہوگا ؟

بالکل نہیں !

کیونکہ ہم جس چہل پہل ، دھوم دھام اور ٹھاٹ باٹ سے مانوس ہیں اس کے پیچھے تقلید ہی کا ہاتھ ہے ! تقلید کا اثر نہ ہو تو سب کام رُک جائیں اور ہر حرکت پر جمود طاری ہوجائے ۔

نیز اس بات سے سب اتفاق کریں گے کہ ہر شخص یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو چھوٹے قد کا نہیں بلکہ بلند قامت ظاہر کرے ، لہذا اس کی تو بس یہی ایک ترکیب ہے کہ جس میں جس قسم کی کمی ہو وہ اس کمی کو پورا کرنے کے واسطے کسی ایسی ہستی سے استفادہ کرے جس نے اس خصوص میں کسبِ کمال کیا ہو ۔

اور یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں کہ ہمارے معاشرے

میں دین کا معاملہ سب سے بڑا ، اور بے حد اہم ہے !
کیونکہ آخرت کے مسائل بھی اسی سے وابستہ ہیں ۔

لہذا شریعت کے قاعدے قوانین سے آگہی اور ان پر عمل پیرا ہونے کے سلسلے میں ان فقہائے کرام کے ارشادات سے اپنے اپنے ذہنوں کو روشن کرنا ضروری ہے ۔ جنہوں نے دین کو سمجھانے کے لیے اپنی عمریں وقف کردیں ۔

ہاں ! علماء کی اس جدوجہد کو اجتہاد اور عوام کے اس سے مستفید ہونے کے طور طریقے کو تقلید کہتے ہیں !

اس ضمن میں استاذ العلماء آخوند ملاّ محمد کاظم خراسانی (متوفی ۱۳۲۹ھ) نے بڑی پیاری بات تحریر کی ہے ۔

لکھتے ہیں :

ثُمَّ اِنَّهٗ لَا یَذْهَبُ عَلَیْکَ اَنَّ جَوَازَ التَّقْلِیْدِ وَ رُجُوْعَ الْجَاهِلِ اِلَی الْعَالِمِ فِی الْجُمْلَةِ یَکُوْنُ بَدِیْهِیًّا جِبِلِّیًّا فِطْرِیًّا لَا یَحْتَاجُ اِلٰی دَلِیْلٍ۔

"یہ نہیں بھولنا چاہیے کہ تقلید کی تسلیم شدہ حیثیت اور مسائل سے ناواقف شخص کا کسی دانشور سے کچھ معلوم کرنا بالکل سامنے کی بات ہے ، نیز اسے ایک قدرتی قاعدہ اور فطری تقاضا سمجھنا چاہیے ۔ جس کیلئے

کوئی دلیل درکار نہیں ہوتی !" [۱]

خلاصہ یہ کہ تقلید اصل میں انسان کی تکمیل کا ایک باوقار ذریعہ ہے ۔ آدمی اگر ان علمی بلندیوں کو نہیں چھو سکا جن کے ذریعے وہ خود اپنے سارے مسائل حل کرسکتا تو وہ دوسروں کے تجربوں سے فائدہ اٹھائے۔

حضرت امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں :

"لَا یَقْبَلُ اللّٰہُ عَمَلاً اِلَّا بِمَعْرِفَۃٍ"

"بے سمجھے بوجھے بغیر جانے ہوئے اگر
کوئی عمل انجام دیا جائے گا تو خدا
اسے قبول نہیں فرمائے گا ۔" [۲]

۱؎ کفایۃ الاصول ، ص:۴۷۲ ، طبع بیروت
۲؎ اصول کافی ، ج:۱ ، ص:۳۵ ، طبع مکتبہ اسلامیہ ، تہران

بس ! اسی لیے مجتہد کی بات مانی جاتی ہے کہ وہ بصیرت رکھتا ہے ۔ صاحبِ نظر ہے اور ہمارے درد کا درماں اسی کے پاس ہے ۔

تھوڑی سی وضاحت :

اچھا ! دورِ حاضر میں بعض جذباتی سوچ رکھنے والے حضرات نے علمِ اصول اور فقہی ذخیرے کو موضوعی طریقے اور اکادمی کے باقاعدہ مسلّمہ انداز سے سمجھے بغیر ان کے بعض عناوین پر خامہ فرسائی شروع کردی اور ان کے قلم نے بڑی خلش انگیز باتیں لکھ ڈالیں !

مثال کے طور پر تقلید ہی کے مسئلے کو لے لیجیے ! انہوں نے لغت ناموں میں تقلید کا لفظ دیکھ کر یہ طے کر لیا کہ تقلید گلے میں پٹّا ڈالنے کو کہتے ہیں ۔

اللہ اللہ خیر صلاّ ! مگر یہ کس علم کی اصطلاح ہے ؟ اور اس پر دسترس رکھنے والوں نے اس کا کیا مطلب بتایا ہے ؟ ان سب حقائق کو نظر انداز کرکے قوم کے ان درد مندوں نے معاشرے کو یہ اُلٹی پٹی پڑھانے کی کوشش فرمائی کہ تقلید وہ جوا ہے جو شرع کے مقدس حوالے سے عوام کے کندھوں پر رکھ دیا جاتا ہے اور وہ بیچارے اس بوجھ کو اٹھائے کولہو کے بیل کی طرح گھومتے رہتے ہیں !

جبکہ تقلید کا مفہوم ، قطعی طور پر اس کے برعکس ہے ! ؎

خرد کا نام جنوں رکھ دیا ، جنوں کا خرد
جو چاہے آپ کا حُسنِ کرشمہ ساز کرے

دراصل تقلید کا مطلب یہ ہے کہ پوچھنے والا یا "مقلد" فتوے کے درست یا نا درست ہونے کا بار مرجعِ تقلید کے دوش پر رکھ دیتا ہے تاکہ صحتِ عمل کے سلسلے میں وہ خود جواب دہی سے بچ جائے اور مجتہد کو اس کی ذمے داری اٹھانا پڑے ۔ فلسفہ قانون کی کتابوں میں یہ قاعدہ درج ہے :

"اَلْعَامِیُّ یَجْعَلُ قَلَادَةَ اَعْمَالِہٖ
عَلٰی عِتْقِ مَنْ یُقَلِّدُہٗ۔"

"عام آدمی اپنا اعمال نامہ مرجعِ تقلید
کے گلے میں حمائل کردیتا ہے ۔"

اس سلسلے میں ہمارے سب سے بڑے محدث محمد ابن یعقوب کلینی لکھتے ہیں :

” ایک دفعہ سرکار صادقِ آلِ محمد ،

ربیعۃ الرای[۱] کی محفل میں تشریف

فرما تھے کہ ایک اعرابی نے

ربیعہ سے آ کر کوئی مسئلہ پوچھا ۔

ربیعہ نے اس کا جواب دے دیا ۔

اس صحرانشین عرب نے جھٹ سے

ایک سوال اور کر ڈالا :

اچھا ! یہ بتایئے کہ آپ نے

جو کہا ہے ، اس کی ذمے داری

---

[۱] ربیعۃ الرائی کے والد کا نام عبد الرحمن فروخ تھا ۔ رجال شیخ طوسی کے مطابق یہ حضرت امام زین العابدینؑ کے شاگرد رشید تھے ، نیز انہوں نے امام محمد باقرؑ سے بھی کسبِ فیض کیا تھا ۔ مدینے کے نامور فقیہوں میں شمار کیے جاتے تھے (رجال ، ص:۱۷۷) ۔

قبول کرتے ہیں ؟ یہ سُن کر
ربیعہ چُپ ہوگئے ۔ اعرابی نے
دوبارہ دریافت کیا ۔ ربیعہ نے پھر
خاموشی اختیار کرلی ! اس موقع پر
حضرت امام جعفر صادقؑ نے متعلقہ
ضابطے کی توضیح و تشریح کرتے ہوئے
ارشاد فرمایا :

"ھُوَ فِیْ عُنُقِهٖ ۔"

" ہاں! یہ بوجھ
انہیں کی گردن پر ہے ۔"
پھر حضورؑ نے یہ کہہ کر
مزید روشنی بخشی :

”وَ کُلُّ مُفْتٍ ضَامِنٌ۔“

”ہر فتویٰ دینے والا اپنے فتوے کا ضامن ہوتا ہے۔“ [1]

[1] فروع کافی ، ج:۷ ، باب ” ان المفتی ضامن “ ، صفحہ:۴۰۹ ، طبع دار الکتب الاسلامیہ ، تہران۔

عقل کی رہبری

ہماری عقل بھی اس حقیقت کی تائید کرتی ہے کہ تقلید ضروری ہے ! وجہ یہ ہے کہ آدمی ایسی مخلوق نہیں جسے گھڑ کر رکھ دیا گیا ہو یا ڈکیل کر چھوڑ دیا گیا ہو ! بلکہ یہ ایک ایسا متحرک وجود ہے جو ہمیشہ سعی و جستجو ، تگ و تاز اور دوڑ دھوپ میں لگا رہتا ہے ۔

زندگی کی ہر جنبش کے ساتھ اسے اپنی راہ کے جاننے اور منزل کو پہچاننے کی دُھن رہتی ہے ! اب یہ

اور بات ہے کہ اس جدوجہد میں کامیابی کی بنیادی شرط یہ ہے کہ ہر چلنے والے کو یقین کے ساتھ معلوم ہونا چاہیے کہ جہاں کا ارادہ ہے وہاں پہنچنے کے واسطے کدھر سے جائے اور کہاں سے نکلے !

اور اگر خود نہیں جانتا تو پھر کسی جاننے والے سے وہاں کی سمت و جہت دریافت کر لے ۔

اسی لیے بڑے شہروں میں آمد و رفت کی آسانی کیلئے جگہ جگہ کتبے ہوتے ہیں ، بورڈ آویزاں کر دیے جاتے ہیں ۔ جن پر مختلف مقامات کے نام لکھے ہوتے ہیں ۔ علامتیں بنی ہوتی ہیں ۔نشان لگے ہوتے ہیں ، جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس رُخ سے چلیں ، کدھر مُڑیں اور کس رفتار سے آگے بڑھیں !

علاوہ ازیں آمد و رفت کے نظام پر عبورِ کامل رکھنے والوں نے طرح طرح کی لکیریں بنا کر سڑکوں کو بھی زبان دے دی ہے! یہ نقش و نگار، وہ بین الاقوامی ذریعۂ اظہار ہیں جو، ہر جادہ پیما، ہر رستہ چلنے والے کی رہنمائی کرتے رہتے ہیں!

اب فرض کیجیے! اگر ٹریفک کے یہ قاعدے نہ ہوتے اور ان کی پابندی نہ کی جاتی تو اس نئے دور میں تیز رفتار سواریوں کے ذریعے سفر محفوظ رہتا؟ ہرگز نہیں! ہر آدمی کو قدم قدم، خوف اور نَفَس نَفَس، خطرہ محسوس ہوتا۔

پھر، جب انسان کی عقل دنیا کے معمولی کاموں میں تقلید، یعنی! دوسرے کی رائے کو دلیلِ راہ بنانے

پر زور دیتی ہے تو دین و آئین کے بارے میں ہر شخص کو ، کب یہ آزادی مل سکتی ہے کہ شرع کے جس حکم کو جس عنوان سے چاہے اور جس فرض کو جب اور جیسے چاہے بجا لائے !

آخر اسلام ایک نظام رکھتا ہے جس کے کچھ قاعدے ہیں ، کچھ ضابطے ہیں ، جن کی پابندی لازمی ہے ، مگر جب تک متعلقہ احکام و قوانین اچھی طرح معلوم نہیں ہوں گے تو انہیں ٹھیک سے برتنے کی توفیق کیوں کر حاصل ہوگی ؟

بھئی ! یا تو آدمی بذاتِ خود اجتہاد کی بھرپور صلاحیت رکھتا ہو اور چھان بین کر کے فقہی مسائل کو اپنے آپ سمجھ لے ۔ ورنہ پھر شرعی احکام جاننے کیلئے

تقلید کے علاوہ اور کوئی راہ نہیں !

اچھا ! ایک اور توجہ طلب نکتہ ! دنیا کے تمام سمجھ دار لوگ کہتے ہیں کہ :

'' ضررِ محتمل کا دفاع ناگزیر ہے ۔''

یعنی ! جہاں نقصان کا خطرہ ہو وہاں اپنے بچاؤ کی تدبیر بہرحال نہایت ضروری ہے ۔

دیکھیے ! یہ بات گرہ میں باندھنے والی ہے کہ : اگر شریعت کے مسئلوں سے ناواقفیت بڑھتی رہی تو اس کے نتیجے میں ہمارے تمام اعمال یا یوں کہیے کہ جملہ کاروبارِ حیات چوپٹ ہوکر رہ جائیں گے ۔

لہذا لازمی طور پر ہمیں اصلاحِ احوال کی جانب متوجہ ہونا چاہیے ، پھر کیا یہ مقتضائے فراست نہیں کہ

مذہب نے جن فرائض کا پابند کیا ہے انہیں لوگ ٹھیک سے جان لیں ، صحیح طریقے سے سمجھ لیں ، تا کہ کسی حکم کی بجا آوری میں کوئی کوتاہی نہ ہو ، کہیں کسر نہ رہ جائے ۔ بنا بریں ، مکرر عرض ہے کہ اس سلسلے میں صرف اور صرف دو قاعدے ہیں ، جنہیں اپنا کر متوقع خطروں کا مقابلہ ممکن ہے ۔

ایک تحقیق ، جس کا مطلب یہ کہ آدمی خود اجتہاد کی منزلیں طے کر لے ۔

دوسرے تقلید ، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ ہر شخص ، کسی مجتہد کے فتوے پر چلے ۔

اب پہلا طریقہ ، یعنی ! تحقیق ، تو ہر ایک کے بس کی بات نہیں ! البتہ دوسری ترکیب آسان ہے ،

اور وہ ہے تقلید ! اسی لیے تقلید کو واجب قرار دیا گیا
ہے ۔

اور قرآن،
یوں رہنمائی
کرتا ہے!

ویسے تو اللہ کی کتاب میں کئی ایسی آیتیں ہیں جن سے تقلید کے مسئلہ پر روشنی پڑتی ہے، مگر اختصار کو دیکھتے ہوئے اس وقت صرف دو آیتوں کی جانب توجہ دلائی جارہی ہے۔

ایک تو یہ آیت ہے:

فَاسْئَلُوْٓا اَھْلَ الذِّکْرِ اِنْ کُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ۔"

'' تم نہیں جانتے ہو تو '' اہلِ ذکر''
یعنی ، جاننے والوں اور واقف کاروں
سے دریافت کرو۔'' [۱]

اس آیۂ وافی ہدایہ میں ایک بنیادی قاعدہ بتایا گیا ہے اور وہ یہ کہ '' بے خبر'' کو چاہیے کہ کسی '' باخبر'' سے استفادہ کرے ۔ جو شخص کسی حقیقت سے آگاہ نہیں ہے اس کا فرض ہے کہ وہ آگہی رکھنے والے سے پوچھ لے ۔

یہاں یہ امر بالکل واضح ہے کہ اس آیت نے شریعت کے مسائل جاننے کے لیے سوال کرنا ضروری قرار دیا ہے ، یا عدمِ علم کی بناء پر ، اَجاَن یا بے سواد

---

[۱] سورۂ مبارکہ نحل : ۴۳

ہونے کے ناتے ، ضرورت کی بات کسی مستند عالم سے پوچھنا واجب ہے ۔

اَب اس موقع پر عقل یہ کہتی ہے کہ سوال کرنے کا باعث تفریح طبع ہے ۔ اپنی ذہانت کا اظہار ، یا جس سے دریافت کیا جا رہا ہے اس کی دانش و آگہی کا امتحان ہے .... ؟

ظاہر ہے آیت اس طرح کی باتوں کے لیے جن میں کوئی افادیت نہ ہو ، معلوم کرنے کا حکم نہیں دیتی ، بلکہ پوچھنے کی غرض و غایت یہ ہوتی ہے کہ جو پوچھیں اس سے علم کی کمی پوری ہوجائے ۔ نادان ، دانا بن جائے ، اور جو معلو م ہوا ہے ، اسے بجا لانے میں کوئی دشواری نہ رہے .... ! اور یہی مسئلہ

تقلید کی ضرورت اور اس کے لزوم کا منطقی ثبوت بھی ہے ۔

ممکن ہے کچھ حضرات یہ کہیں کہ جناب ! اہل الذکر سے مراد تو اہل بیت اطہارؑ ہیں ۔ جی ہاں ! ہم بھی اس پر یقین رکھتے ہیں ۔ یہ ہمارا ایمان ہے کہ ہمارے معصومؑ رہنما ہی پہلے درجے میں اہل الذکر ہونے کا مصداق ہیں ۔

لیکن ! ان کے بعد ، ان ہی کے ارشاد کے مطابق فقہائے ملت اور علمائے اُمت کو علمی قیادت کا منصب حاصل ہوتا ہے ، اور اگر اس کھلی حقیقت اور اس مانی ہوئی سچائی کو نہ مانا گیا تو پھر تہ در تہ جہالت کو قوم کا مقدر بننے سے کوئی نہیں روک سکتا !

کیونکہ سماج کے سب لوگ علمی بحث و جستجو کے قابل نہیں ہوتے ، نیز جب تک پردۂ غیبت پڑا ہوا ہے ، امامِ ہمامؑ کی خدمت اقدس میں کسی کی رسائی بھی ممکن نہیں ۔ اب اس کا ، بس یہی حل ہے کہ جب حقیقی عالم ، یعنی جنہیں قدرت نے براہِ راست عرفان و آگہی سے سجایا ہو ، کی خدمت میں حاضری نہ دے سکیں تو جو بالواسطہ صاحبِ علم ہوں ان کی باتوں کو جانتے اور مانتے رہیں ۔

قرآنِ حکیم کا دوسرا فرمان مندرجہ ذیل آیت کے ذریعے صادر ہوا ہے ۔ آیۂ مبارکہ کے الفاظ یہ ہیں :

"وَ مَا كَانَ الْمُؤْمِنُوْنَ لِيَنْفِرُوْا كَافَّةً
فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ

لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّيْنِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ لَعَلَّهُمْ يَحْذَرُوْنَ۔

" ضروری نہیں کہ تمام مومنین نکل کھڑے ہوں ، مگر یہ تو ہونا چاہیے کہ قوم اور معاشرے کے ہر طبقے سے کچھ لوگ معارفِ دینی حاصل کرنے کے لیے کوچ کریں ، اور کسبِ کمال کے بعد اپنے اپنے علاقے میں واپس آکر ملت کے افراد کو خبردار کریں تاکہ وہ معصیت کاری سے ڈریں اور انحراف کی راہ اپنانے سے اجتناب برتیں ۔" [۱]

---

[۱] سورۂ مبارکہ توبہ : ۱۲۲

اس آیۂ وافی ہدایہ میں پہلا ارشاد یہ ہے کہ سب کو نہیں ، کچھ لوگوں کو دینی علوم میں مہارت پیدا کرنے کے لیے آگے بڑھنا چاہیے ، گویا ضرورت اس امر کی ہے کہ بعض اشخاص ، دین کی ثقافت سے آراستہ ہوں ، اور باقی ان کی علمی قیادت کو تسلیم کریں اور ان کی ہدایات پر عمل پیرا ہوں ۔

دیکھئے ! اس آیت میں تین کلیدی لفظ ہیں جو ہر سمجھ دار آدمی کو دعوتِ فکر و نظر دے رہے ہیں :

☆ تفقہ

☆ نذر

☆ حذر

پہلا لفظ فقہ سے نکلا ہے ، جس کے معنی ہیں

'' جاننا '' مگر سادگی کے ساتھ نہیں ، بلکہ کسی قسم کا مسئلہ ہو ، اس کے بارے میں گہری سوچ اور کوئی معاملہ ہو اس کی تہہ تک پہنچنے کو فقہ کہا جاتا ہے ۔

راغب اصفہانی کا قرآنی الفاظ کی شرح و توضیح کرنے والوں میں بڑا نام ہے ۔ یہ اپنی شہرۂ آفاق کتاب '' المفردات '' میں لکھتے ہیں :

'' **الفقه هو التوصل الیٰ علمٍ غائبٍ بعلمٍ شاهدٍ۔** ''

'' یعنی ، معلوم سے مجہول ، عیاں سے نہاں ، اور سامنے کی بات سے چھپی ہوئی حقیقت کی دریافت کو فقہ کہتے ہیں ۔ ''

اور تفقہ کے سلسلے میں ان کا یہ بیان ہے :

"تفقّہ إذا طَلَبَہُ فتخصّص بِہ۔"

مقصد یہ کہ جس چیز کی طلب ہو ، جب وہ مل جائے تو اس میں تخصص پیدا کرنے یا کمالِ مہارت کے حصول کو تفقہ سے موسوم کیا جاتا ہے ۔

دوسرا لفظ نذر یا انذار (**لینذروا**) ہے ۔ اس سے جو مفہوم برآمد ہوتا ہے ، وہ ہے ، پیش آنے والے خطرے کی اطلاع ۔

سب سے بڑے زبان داں محمد ابن مکرم اپنی لغت " لسان العرب " میں لکھتے ہیں :

" أنذرتُ القومَ فنَذِرُوا ای أعلَمهم ذلک فعلموا وتحزروا۔"

" قوم کو خوفناک صورتِ حال سے آگاہ کیا ،

اس نے جو ہوسکتا ہے ہے اسے بھانپ کر اپنی حفاظت کا پورا بندوبست کرلیا۔“

تیسرا لفظ حَذَر (**لعلھم یحذرون**) ہے۔

اس کے معنی ہیں : احتیاط برتنا۔

ابن مکرم اس ضمن میں تحریر فرماتے ہیں :

”رَجُلٌ حَذِرٌ۔ مُتَیَقِّظٌ۔ مُتحَرِّزٌ۔ متأھبٌ۔ مُعِدٌ۔ یحذر ان یُفاجَأُ۔“

بیدار آدمی دفاعی ہتھیاروں سے لیس ، ہر آفت کے مقابلے کو تیار ، تمام مشکلوں سے نمٹنے کے لیے اس طرح آمادہ جیسے فوری طور پر وہ ہنگامی حالت سے دوچار ہونے والا ہو !

اب ان لفظوں سے جو مجموعی تاثر پیدا ہوتا ہے

اس کے ساتھ جب ہم آیت کے مفاد پر نظر ڈالتے ہیں ، تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ معاشرے کے جو فعال ، حرکت پذیر اور باصلاحیت عناصر ہیں انہیں تو معارفِ اسلامی کی تلاش و جستجو کے بعد اپنا فرض ادا کرنا چاہیے اور باقی لوگ ان سے استفادہ کریں ۔

گویا جو استعداد رکھتے ہیں ، وہ اپنی قابلیت سے روشنی حاصل کریں اور جو خود سے اپنا ذہن اُجالنے کی سکت نہیں رکھتے ، وہ دوسروں سے مدد لیں ۔

بہرکیف ! جذب و قبول ، اخذ و عطا ، یا لین دین کے اس سلسلے کو قائم رہنا چاہیے ! مکرر عرض ہے کہ اسی کو اجتہاد و تقلید کا نام دیا جاتا ہے ۔

حدیث
کا
فیصلہ

دیکھئے ! ہمارے مجامع حدیث میں ، تقلید کے وجوب و جواز سے متعلق ، کوئی سو (۱۰۰) حدیثوں کا ذخیرہ موجود ہے ۔ ان میں کچھ تو وہ ہیں جن سے تقلید کے فرض ہونے کا حکم ملتا ہے ، جیسے : صحیحہ اسحاق بن یعقوب ۔ [۱] یہ مستند حدیث

---

[۱] حدیثیں طرح طرح کی تھیں ، بنا بریں اس علم کے ماہروں نے سب کی چھان بین کے بعد سند کے اعتبار سے ان کی درجہ بندی کردی اور احادیث کی ہر صنف کا ایک معیار قرار دے کر انھیں ایک اصطلاحی نام بھی دیا ہے ۔ مثلاً : صحیح ، مقبول ، متواتر ، موثق ، حسن ، معتبر ، اور ضعیف وغیرہ ۔ چنانچہ صحیحہ ، اس روایت کی پہچان ہے جس کے تمام راوی مکتب تشیع سے وابستہ اور ہر لحاظ سے قابلِ اعتبار قرار پاتے ہوں ۔

امام زمانہ سرکار حجت ابن الحسن عجل اللہ فرجہ الشریف کی بارگاہِ اقدس سے ان لفظوں میں ہم تک پہنچی ہے :

اَمَّا الْحَوَادِثُ الْوَاقِعَةُ فَارْجِعُوْا فِيْهَا اِلٰى رُوَاةِ حَدِيْثِنَا ، فَاِنَّهُمْ حُجَّتِىْ عَلَيْكُمْ وَ اَنَا حُجَّةُ اللّٰهِ ۔"

" اپنی زندگی میں جب تم نوظہور ، تازہ ایجاد مسائل سے دوچار ہو تو ان پر عمل درآمد کے قاعدوں سے واقف ہونے کے لیے ہماری حدیثیں بیان کرنے والوں (فقہاء) سے رجوع کرو ، کیونکہ یہ تم پر میری حجت اور میں خدا کی حجت ہیں ۔" [۱]

---

۱ وسائل الشیعہ ، باب : ۱۱ ، صفات القاضی ، ح : ۹ ، ج : ۲۷ ، ص : ۱۴۰ ، منشورات آل البیتؑ قم ۔

ہاں ! امام عالی مقامؑ کے اس ارشاد گرامی کے اصل مقصد تک پہنچنے میں بعض دانشوروں کو کچھ مشکل پیش آئی ہے ۔ بنابریں ! انہوں نے گھبرا کر یہ کہنا شروع کردیا کہ : '' سرکار امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کے اس فرمانِ مبارک میں فقہاء کی بجائے '' رواۃ '' کا لفظ ہے !

جبکہ تقلید یا رجوع کے حوالے سے اس کا تعلق '' فقیہ '' سے ہونا چاہیے !

وضاحت کے طور پر گزارش ہے کہ جس دور کی یہ بات ہے ، اس زمانے میں زیر نظر مفہوم کے واسطے روایت ، راوی ، حدیث اور محدث کے الفاظ ہی عوام کی زبان پر چڑھے ہوئے تھے ، اس لیے یہی لفظ

استعمال ہوتے تھے ، اور جب علوم کا دامن پھیلا ، دینی ادب کا زور بندھا ، تو نفسِ مضمون کے لیے فقہ ، آگاہانہ اطاعت کے واسطے تقلید ، اور سوچ سمجھ کر جن کی علمی فرمانبرداری کی جائے ، ان کی پہچان کے لیے '' مجتہد اور مرجع '' کی اصطلاح زبان زدِ عام ہوگئی ۔

یہ فلسفہَ ارتقاء کا مزاج ہے جو ایوانِ ہستی کے گوشے گوشے پراثر انداز ہوتا رہتا ہے ۔ جب دانش و آگہی باڑھ پر آتی ہے ، تو بہت سے مطالب کو نئے نئے لفظ مل جاتے ہیں اور انہیں معاشرے میں قبول بھی حاصل ہو جاتا ہے ۔

اس موقع پر علمی تکبر کی زد میں آئے ہوئے بعض حضرات یہ بھی کہتے ہیں کہ مذکورہ حدیث میں

سرکارِ حجت عجل اللہ فرجہ الشریف کی جانب سے صرف حادثوں کے پیش آنے پر فقہاء سے رجوع کرنے کی تلقین ہے!

گویا کبھی کبھار کوئی افتاد پڑ جائے ، اچانک کوئی مشکل سر اٹھائے تو آدمی کو چاہیے کہ فقہی دنیا کی کسی لائقِ اعتبار ہستی سے اس کا حل پوچھ لے ۔

حالانکہ یہ فرمان قیامت تک کے ہر اس معاملے سے تعلق رکھتا ہے جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی پر اثرانداز ہوتا ہے!

نیز ، اس بات پر بھی توجہ دینا ضروری ہے کہ الحوادث ، حادثہ کی جمع ضرور ہے ، مگر اس کا منشاء عربی ادب ، محدثوں کی زبان اور فقہاء کی تحریر و تقریر میں وہ نہیں جو انگریزی زبان کے لفظ ایکسیڈنٹ

(Accidental) یا انسیڈنٹ (Incident) کے معنوں میں استعمال کیا جاتا ہے ۔

یہاں " الحوادث الواقعہ " سے مراد وہ نئی نئی باتیں ہیں جن سے آئے دن ہر ایک کو سابقہ رہتا ہے۔ [1]

اور یہ بھی دیکھئے کہ سرکار امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے اس ارشاد گرامی میں فکری اطمینان حاصل کرنے کے لیے نئے مسئلے مسائل کے سلسلے میں جہاں عوام کو اپنے دور کے فقیہوں سے رجوع کرنے کی ہدایت فرمائی ہے ، وہاں ان فقہاء کو اپنی حجت یعنی " اتھارٹی " قرار دیا ہے ۔ اس لحاظ سے ان کے کہے کو ماننا اسی

---

[1] ملاحظہ ہو ۔ حوادث کا مفہوم : المنجد ۔ الاب معلوف ۔ صفحہ ۱۳۱ ۔
المفردات ۔ راغب اصفہانی ۔ صفحہ ۱۱۰ ۔ العین ۔ ابن مکرم ۔ صفحہ ۱۶۷ ۔
مجمع البیان ۔ الحدیث ۔ شیخ عاطف الزین ۔ صفحہ ۲۳۲

طرح واجب ہے جس طرح امام عجل اللہ فرجہ الشریف کے حکم کی تعمیل فرضِ عین ہے ۔ پھر اس ہدایت نامے کے دامن میں یہ نکتہ بھی موجود ہے کہ جس طریقے سے امامِ معصومؑ کے قول کی خلاف ورزی مؤاخذے کے قابل ہے ، بالکل اسی عنوان سے فقہاء کے ارشاد سے روگردانی پر بھی بازپرس ہوگی ۔

اچھا ، بعض افاضل کو اس حدیث کے مستند ہونے میں بھی کچھ شک ہے ! کہتے ہیں کہ اس روایت کے بیان کرنے والے ، اسحاق بن یعقوب ہیں ، اور یہ کوئی جانی پہچانی شخصیت نہیں رکھتے !

مگر، حقیقت حال کچھ یوں ہے کہ اسحاق بن یعقوب علمی دنیا میں نامعلوم اور غیر معروف نہیں، یہ ثقۃ الاسلام

محمد بن یعقوب کلینی کے بھائی بھی ہیں اور استاد بھی! حدیث کی دنیا کے بڑے لوگوں میں سے کسی نے بھی انہیں کمزور نہیں کہا۔ نیز، صاحبِ "قاموس الرجال" نے بھی موصوف کی توثیق کی ہے۔

اس کے علاوہ مذکورہ فرمان کو شیخ صدوق، متوفی ۳۸۱ھ نے، محمد بن یعقوب کلینی ہی کے واسطے سے "کمال الدین و اتمام النعمۃ" میں، شیخ طوسی علامہ طبرسی اور شیخ حر عاملی نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا ہے۔ [۱]

---

[۱] کمال الدین و اتمام النعمۃ، شیخ صدوق، ج:۲، ص:۴۸۴، ناشر: موسسۃ النشر الاسلامی قم۔
کتاب "الغیبۃ"، شیخ طوسی، ص:۱۷۷
کتاب "احتجاج"، علامہ طبرسی، ج:۲، ص:۲۸۳۔
وسائل الشیعہ، شیخ حر عاملی، باب صفات القاضی، ج:۲۷، ص:۱۴۰، طبع موسسۃ آل البیت۔

اب اتنے عظیم "خاصانِ حدیث" جب اس ارشاد کو معتبر سمجھتے ہوں، تو کسی اور کے شک و شبہ کی کیا حیثیت رہ جاتی ہے؟

اس سلسلے کی ایک اور روایت، امام جعفر صادقؑ سے بھی نقل کی گئی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"لَا یَقْبَلُ اللّٰهُ عَمَلاً اِلَّا بِمَعْرِفَةٍ۔"

"علم و آگہی کے بغیر، جو عمل انجام
دیا جائے گا، اللہ کی بارگاہ میں وہ
قبول نہیں ہوگا۔" [1]

اسی لیے سرکار صادق آلِ محمدؑ، حُمران بن اَعین سے کہتے ہیں:

---

[1] اصول کافی ج: ۱، ح: ۲، ص: ۳۵، طبع مکتبہ اسلامیہ، تہران۔

"اِنَّمَا یَهْلِکُ النَّاسُ لِاَنَّهُمْ
لَا یَسْئَلُوْنَ۔"

" ہلاکت ان لوگوں کا مقدر بن جاتی ہے جو
مسائل پوچھنے سے کتراتے ہیں ۔" [1]

اور شہیدوں کے سرور و سردار حضرت امام حسینؑ
یوں رہنمائی فرماتے ہیں :

"مَجَارِی الْاُمُوْرِ وَالْاَحْکَامِ
بِیَدِ الْعُلَمَاءِ الْاَدِلَّاءِ عَلَی اللّٰہِ
وَالْاُمَنَآءِ عَلٰی حَلَالِہٖ وَ حَرَامِہٖ۔"

" معاشرے کے سارے معاملات اور
شریعت کے تمام احکام پر عمل درآمد

---

[1] اصول کافی ج:۱ ، ح:۱ ، ص:۳۱ ، طبع مکتبۂ اسلامیہ ، تہران ۔

کروانے کا اختیار ان علماء کے ہاتھ

میں ہے جو خدا کو پہچانتے ہیں،

اور حلال و حرام کے مسئلوں میں

اس کے امین ہیں۔" ۱؎

اور اس سلسلہ میں ایک اور حدیث جو مقبولہ

عمر بن حنظلہ کہلاتی ہے۔ ۲؎

یہ بھی حضرت صادق آلِ محمدؑ سے مروی ہے:

"مَنْ كَانَ مِنكُمْ مِمَّنْ قَدْ رَوىٰ حَدِيْثَنَا

وَنَظَرَ فِىْ حَلَالِنَا وَحَرَامِنَا وَعَرَفَ

۱؎ تحف العقول، ص: ۱۶۹، ابن شعبۃ البحرانی، طبع تہران

۲؎ علوم الحدیث کے مصنف ڈاکٹر صبحی صالح لکھتے ہیں کہ مقبول حدیث "صحیح" کہلاتی ہے اور مسترد روایت کو "ضعیف" کا نام دیا جاتا ہے، نیز شیعہ دانشور فرماتے ہیں کہ جس حدیث کا متن و مفہوم، عمل کے لیے شہرت رکھتا ہو، اسے مقبولہ کہتے ہیں۔

اَحْكَامَنَا فَلْيَرْضُوْا بِهٖ حَكَماً ۔
فَاِنِّیْ قَدْ جَعَلْتُهٗ عَلَيْكُمْ حَاكِماً ،
فَاِذَا حَكَمَ بِحُكْمِنَا ، فَلَمْ يَقْبَلْهُ مِنْهُ ،
فَاِنَّمَا اسْتَخَفَّ بِحُكْمِ اللّٰهِ وَعَلَيْنَا
رَدَّ ، وَالرَّادُّ عَلَيْنَا كَالرَّادِّ عَلَى اللّٰهِ ،
وَ هُوَ عَلٰى حَدِّ الشِّرْكِ بِاللّٰهِ ۔"

امام جعفر صادقؑ ارشاد فرماتے ہیں :
" تم میں سے جو شخص ہماری حدیثیں
بیان کرے ، ہمارے بتائے ہوئے
حلال و حرام کے مسائل پر نظر رکھے ،
ہمارے احکام سے واقف ہو تو تم
اس کے فیصلوں کو دل سے مان لو اور

سمجھو کہ اسے میں نے تمہارا حاکم
بنایا ہے ، نیز اگر اس کے فیصلے
ہماری تعلیمات کے مطابق ہیں اور
پھر بھی انہیں کوئی آدمی نہیں مانتا ،
تو سمجھا جائے گا کہ وہ خدا کے حکم کی
توہین کر رہا ہے ، اور ہماری تکذیب
کر رہا ہے اور ہماری تکذیب کرنے
والا پاک پروردگار پر دروغ گوئی کی
تہمت لگانے کا مجرم اور شرک کی سرحد
پر سمجھا جائے گا ۔" [1]

---

[1] اصول کافی ، ج : ۱ ، کتاب فضل العلم ، ص : ۵۴ ، ح : ۱۰ ، طبع مکتبہ اسلامیہ ، تہران ۔

اور اب ائمہ اطہارؑ کی چند وہ حدیثیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ ہمارے معصوم رہبروں نے اپنے اپنے دور میں شرعی احکام حاصل کرنے اور فقہی مشکلیں حل کروانے کے لیے مختلف دانشمندوں کا خود تعارف کروایا ہے۔ ملاحظہ کیجیے:

''شعیب عقرقوفی، حضرت امام جعفر صادقؑ سے پوچھتے ہیں کہ: ضرورت پڑنے پر ہم کس سے مسائل دریافت کریں؟

حضرتؑ نے ارشاد فرمایا:

''عَلَیْکَ بِالْاَسَدِیْ۔''

''تم ابوبصیر اسدی سے پوچھ لیا کرو۔'' [1]

---

[1] رجال کشی، شمارہ ۲۹۱، طبع مصطفوی، ایران۔ وسائل الشیعہ، ج: ۲۷، ص: ۱۴۲، منشورات مؤسسہ آل البیتؑ، قم۔

اسی طرح سرکار صادق آل محمدؑ کی اس روایت سے بھی ہماری رہنمائی ہوتی ہے :

عبداللہ بن یعفور چھٹے امامؑ سے عرض کرتے ہیں :

" مولا ! میں نہ تو ہر وقت حاضر خدمت ہوسکتا ہوں اور نہ اس قابل ہوں کہ کسی وقت بھی اگر کوئی شرعی مسئلہ پوچھنے آجائے تو میں خاطر خواہ اس کا جواب دے پاؤں ۔

یہ سن کر حضرتؑ نے ارشاد فرمایا :

" فَمَا يَمْنَعُکَ مِنْ مُحَمَّدِ بْنِ مُسْلِمِ الثَّقَفِيِّ ، فَإِنَّهُ قَدْ سَمِعَ اَبِيْ

وَ کَانَ عِنْدَہٗ مَرْضِیّاً وَجِیْھاً۔"

" اچھا ! تو پھر محمد بن مسلم ثقفی سے

کیوں نے رجوع کرتے ؟ انہوں نے

میرے والدِ ماجد کو سنا ہے ، نیز انہیں

ان کی خوشنودی بھی حاصل تھی اور معتبر

لوگوں میں شمار تھے ۔" [1]

جناب امام جعفر صادقؑ کا ایک اور فرمان :

یونس بن یعقوب کا بیان ہے :

" ہم سرکار صادق آلِ محمدؑ کی خدمت اقدس

میں حاضر تھے ۔ دوران گفتگو امامؑ

نے ارشاد فرمایا :

---

[1] وسائل الشیعہ ، شیخ حر عاملی ، ج : ۲۷ ، ص : ۱۴۴ ، منشورات موسسہ آل البیت ، قم ۔

”اَمَا لَکُمْ مِنْ مَفْزَعٍ؟
اَمَا لَکُمْ مِنْ مُسْتَرَاحٍ تَسْتَرِیْحُوْنَ اِلَیْہِ؟
مَا یَمْنَعُکُمْ مِنَ الْحَارِثِ بْنِ الْمُغِیْرَۃ
الْبَصَرِی؟“

”تمہارے ہاں اطمینان پانے کی کوئی جگہ یا اپنی مشکلیں آسان کروانے کا کوئی ٹھکانہ نہیں تو حارث بن مغیرہ بصری کے پاس جانے میں کیا دقت ہے؟“ [1]

اور ثامن الائمہ حضرت امام رضاؑ سے ”عبد العزیز بن المہتدی“ اور ”علی ابن یقطین“ روایت کرتے ہیں کہ:

---

[1] وسائل الشیعہ، حر عاملی، ج: ٢٧، ص: ١٤٥، منشورات مؤسسہ آل البیت، قم۔

ہم نے حضورؑ کی خدمت میں عرض کی :

" آقا ! ہم جہاں رہتے ہیں وہ علاقہ
یہاں سے خاصا دور ہے ، بنا بریں
ہر وقت ہم آپؑ کی بارگاہ میں حاضری
نہیں دے سکتے ۔ اب فرمایئے کہ ہم
مذہبی معلومات کس سے حاصل کریں ؟
کیا یونس ابن عبد الرحمٰن پر اس سلسلہ
میں بھروسہ کیا جائے ؟

آپؑ نے ارشاد فرمایا :

" قَالَ : خُذْ عَنْ یُوْنُسِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ ۔ "

" ہاں ! یونس بن عبد الرحمٰن سے استفادہ کرو ۔ "

[1] وسائل الشیعہ شیخ حرعاملی ، ج : ۲۷ ، ص : ۱۴۸ ، منشورات : موسسہ آل البیتؑ ، قم ۔

اسی قسم کی بات علی ابن مسیّب ہمدانی نے بھی کی تھی تو امام عالی مقامؑ نے فرمایا تھا :

” مِنْ زَکَرِیَّا بْنِ آدَمِ الْقُمِّیِّ ،

اَلْمَامُوْنُ عَلَی الدِّیْنِ وَالدُّنْیَا ۔ “

” تم لوگ اپنے مسائل و معاملات کے بارے میں زکریا بن آدم قمی سے فتویٰ لیا کرو ، اس لیے کہ وہ دین و دنیا کے تمام امور میں امانت دار ہیں ۔ “ [1]

نیز موقع کی مناسبت سے حضرت امام رضاؑ کا ایک اور ارشاد : عبد الواحد ابن محمد ابن عبدوس ناقل ہیں کہ: امام عالی مقامؑ نے فرمایا :

---

[1] وسائل الشیعہ ، شیخ حرعاملی ، ج : ۲۷ ، ص : ۱۴۶ ، منشورات : مؤسسہ آل البیت ، قم ۔

"رَحِمَ اللّٰہُ عَبْداً اَحْییٰ اَمْرَنَا۔"

"خداوند عالم اس بندے کو اپنی رحمت سے
نوازے جو ہمارے نظام کو زندہ رکھے۔"

راوی کہتا ہے کہ یہ سن کر میں نے عرض کی:

"آقا! آپؑ کے نظام کو کیوں کر زندہ
رکھا جا سکتا ہے؟"

جواب عنایت ہوا:

"یَتَعَلَّمُ عُلُوْمَنَا وَ یُعَلِّمُھَا النَّاسَ۔"

"ہمارے علوم سے بہرہ مند ہو کر
دوسروں کو ان کی تعلیم دیا کرے۔" [1]

اور اب، کچھ ان عظیم ہستیوں کے نام جنہیں

---

[1] معانی الاخبار، ص: ۱۸۰، وسائل الشیعہ، ج: ۲۷، ص: ۱۴۰

ذہنی رہنمائی اور فکری قیادت کا فریضہ خود ائمہ معصومینؑ نے ودیعت فرمایا تھا ۔

☆ قثم ابن عباس :

بابِ مدینۂ علم ، علی ابن ابی طالبؑ نے انہیں مکہ معظّمہ کا سربراہ مقرر فرمایا تھا ۔ حضرت امیرؑ اپنے ایک مکتوب گرامی میں انہیں یوں ہدایت دیتے ہیں :

" فَافْتِ الْمُسْتَفْتِیْ ، وَ عَلِّمِ الْجَاهِلَ وَذَاكِرِ الْعَالِمَ ۔" [۱]

قثم ! جو تم سے فتویٰ لینے کے خواہش مند ہوں انہیں فتویٰ دینا ، بے سواد لوگوں کو علم و آگہی سے آراستہ کرنا اور جو باخبر افراد

[۱] نہج البلاغہ ، ص : ۴۵۷ ، ترتیب و تشریح : ڈاکٹر صبحی صالح ، طبع بیروت ۔

ہیں ، انہیں یاد دہانی کرواتے رہنا ۔"

حضرت امام محمد باقرؑ نے ابان بن تغلب بن ریاح سے فرمایا :

" اِجلِسْ فِیْ مَسجِدِ الْمَدِیْنَةِ وَافْتِ النَّاسَ ، فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ یُرٰی فِیْ شِیْعَتِیْ مِثْلُکَ ۔"

تم مدینہ کی مسجد میں بیٹھا کرو اور جو لوگ فتوے کے لیے آئیں تو انکو فتوے دیا کرو ، مجھے اپنے شیعوں میں تم جیسے اشخاص بہت پسند ہیں ۔" [1]

معاذ ابن مسلم نحوی ، حضرت امام جعفر صادقؑ

---

[1] رجال النجاشی ، ابو العباس احمد بن علی النجاشی، ج : ۱ ، ص : ۷۳ ، طبع دارالاضوا ، بیروت۔

کے حوالے سے بتاتے ہیں کہ امام ہمام نے فرمایا :

'' سنا ہے تم مسجد میں بیٹھ کر فتوے

دیتے ہو ؟ '' میں نے عرض کی :

جی ہاں ! اور اس وقت جانے سے

پہلے اس بارے میں حضورؑ سے کچھ

دریافت کرنا چاہتا تھا ۔

مولا ! جب میں مسجد میں ہوتا ہوں ، تو

طرح طرح کے لوگ مسئلے پوچھنے آتے ہیں ،

کوئی ذرا ٹیڑھا لگتا ہے تو اسے اسی

کی سوچ کے مطابق جواب دیتا ہوں ۔

کوئی محبِّ اہل بیتؑ ہوتا ہے تو اسے

آپ کی روش کی باتیں بتانے کا فرض

پورا کرتا ہوں ، مگر بعض اوقات کوئی ایسا آدمی بھی آجاتا ہے ، جس کے متعلق یہ نہیں معلوم ہوتا کہ وہ کیا ہے اور کون ہے ؟ تو اس سے پھر میں کہتا ہوں کہ ، دیکھو ! فلاں کا قول یہ ہے اور فلاں کا یہ مسلک ہے، اور اس انداز سے آپؑ کے ارشاد بھی اپنے بیان میں شامل کردیتا ہوں ۔

یہ سن کو امامؑ نے فرمایا :

" ٹھیک کرتے ہو ، ایسے موقعوں پر میرا بھی یہی طریق کار ہے ۔" [1]

---

[1] رجال کشی ۴۷۰ ، طبع مصطفوی ، ایران ۔

اور

یوں بھی ذرا

غور فرمائیں!

قرآن چاہتا ہے کہ ہر کلمہ گو، علم و دانش کی روشنیوں میں اپنی زندگی گزارے۔ رسول مقبولؐ اور ائمہ معصومینؑ کی بھی یہی خواہش ہے۔

مگر ساتھ میں یہ اصرار بھی ہے کہ علم و فرہنگ کے جتنے بھی شعبے ہیں ان میں "تفقہ فی الدین" کو اولیت ملے۔ مذہب سے ٹھیک ٹھاک واقفیت کو ترجیح حاصل ہو، کیونکہ روزمرہ معاملات میں شریعت سے

آگہی کو اساسی حیثیت قرار دینا ضروری ہے۔

اور یہاں اس غلط فہمی کو بھی دور ہو جانا چاہیے کہ تفقہ سے مراد صرف نجاست و طہارت اور نماز، روزے کے چند گنے چنے مسئلے ہیں! بلکہ حیات و کائنات کے حوالے سے ان تمام انفرادی امور کی حقیقتوں کو جاننے اور پرکھنے کی صلاحیت ہے جو معاشرے کی صورت گری میں جزوِ لازم کا درجہ رکھتی ہے!

دیکھیے! دین اس نظام کو کہتے ہیں جو اسے قبول کرنے والوں کی ہر حرکت و سکوں کا فرماں روا ہو ....! اور دین میں تفقہ کا منشاء یہ ہے کہ آدمی اپنی اور دوسروں کی جملہ ضروریات اور اس سے تعلق

رکھنے والے احکام کا صحیح اور پورا ادراک رکھتا ہو ۔

اس سے پہلے مختصراً عرض کیا جاچکا ہے کہ تفقہ صرف آدابِ عبادت کو نہیں کہتے ! بلکہ ، فقہِ اخلاق ، فقہِ معاشرت ، فقہِ سیاست ، فقہِ حکومت ، فقہِ اقتصاد ، فقہِ تجارت ، فقہِ زراعت ، فقہِ دفاع ، بین الاقوامی تعلقات اور صنعت و حرفت وغیرہ کے تمام فقہی پہلو اس میں شامل ہیں ۔

اس باخبری اور دیدہ وری کے بارے میں حکیم اسلام امیر المومنین ؓ نے ایک مرتبہ عرشۂ منبر سے ارشاد فرمایا تھا :

”وَاِنَّ مِنَ الْحَقِّ اَنْ تَفَقَّهُوْا۔“

یہ بھی حقیقت پسندی کا عنوان ہے کہ

تم فقیہ بنو۔ [۱]

اب ممکن ہے کہ بعض وہ حضرات جو محدودیت کو اپنائے ہوئے ہوں اور اپنی سوچ کے تنگ دائرے سے نکلنے میں قدرے زحمت محسوس کرتے ہوں ، ان کا یہ تاثر ہو کہ مراجعِ تقلید کے وہ فقہی رسالے جنہیں عُرفِ عام میں عملیہ کہا جاتا ہے ، ان میں تو یہ سب باتیں ناپید ہیں !

ہاں ! بظاہر یہی دکھائی دیتا ہے ، لیکن ! اگر اس پہلو سے غور کیا جائے کہ عملیہ رسالے عوام کو روز مرہ زندگی میں پیش آنے والے مسئلوں سے آگاہ کرنے کا ایک تحریری وسیلہ ہیں ۔ ان میں وہی کچھ

---

[۱] اصول کافی ، ج : ۱ ، ص : ۳۶ ، طبع مکتبہ اسلامیہ ، تہران ۔

لکھا جاتا ہے جو آئے دن لوگوں کو چاہیے ہوتا ہے !

البتہ جہاں تک فقہ کے بڑے اور کلاسیکی مجموعوں کا تعلق ہے ، ان میں نجی زندگی اور سماجی زندگی کی ہر مشکل کا مناسب حل موجود ہے ۔ عمرانی علوم کی ہر شاخ پر انتہائی مفصل اور مدلل طریقوں سے بحث کی گئی ہے ۔ مگر ! یہ ذخیرہ جدوجہد کرنے والے کارشناس علماء کے کام آتا ہے ، عام لوگوں کے لیے بے مصرف ہے !

اور اختصار کی ایک خاص وجہ ، بلکہ ، اصل وجہ یہ ہے کہ سرکار ختمی مرتبتؐ کی رحلت کے بعد جو ایک سوچا سمجھا انقلاب لایا گیا اور اس کی بناء پر سیاست و ریاست نے جو شکل و صورت اختیار کی ،

اس میں ہمارے لیے کوئی جگہ نہیں رکھی گئی ! اور آج تک جب کبھی بھی آئین کے بڑے بڑے ماہر اپنی قانونی فہم و فراست دکھانے کے لیے کہیں اکٹھا ہوئے تو میدانِ عمل میں انہیں صرف چار مکاتب فقہ نظر آئے ۔ شریعت کا پانچواں مدرسہ ایک آدھ کے سوا کسی چارہ گر کو نہیں دکھائی دیا !

بہرکیف ، دنیا والوں کے اس طرزِ تغافل نے بھی خاصی دقتیں پیدا کیں ، اور شیعہ عوام کے فقہی مزاج کو پنپنے کا خاطر خواہ موقع نہیں نصیب ہو سکا !

نیز ، تاریخ کہتی ہے کہ مختلف ادوار اور دنیا کے کئی علاقوں میں خود شیعوں کو بھی اقتدار حاصل ہوا ؟ یہ ٹھیک ہے ، لیکن ، انہوں نے جس زمین پر

بھی غلبہ پایا ، وہاں یہ حاکم کی شکل میں تو اُبھرے ، پر شیعی فقہ کی بنیاد پر حکومت کہیں نہیں قائم کر سکے ۔

دوسرے لفظوں میں ،

ایک ایسی مؤثر اور شرعی قواعد و ضوابط نافذ کرنے والی ہر اعتبار سے نظریاتی ریاست وجود میں نہیں آ سکی !

مثال کے طور پر :

مراکش میں ادریسی مملکت ، بحیرۂ قزوین کے آس پاس علویوں کی حکمرانی ، عراق اور فارس میں آلِ بویہ کی فرماں روائی ۔ شام میں بنو حمدان کی عملداری ، مصر میں فاطمی اقتدار ، ایران میں صفوی ، قاچاری اور پہلوی شہنشاہیت ، جنوبی ہندوستان میں

عادل شاہی اور قطب شاہی حکومت ، نیز شمالی ہند میں اودھ کی سلطنت وغیرہ وغیرہ ۔

صحیح ، درست ، بجا ! مگر یہ سب شیعوں کی سرگذشت کے بعض حصوں کا تذکرہ ہے ۔

دیکھئے ! اہل بیت اطہارؑ سے اپنی وابستگی ظاہر کرنے والی طاقت ور نمایاں شخصیتوں نے اس دنیا میں جہاں کہیں بھی اختیارات کی باگ ڈور ہاتھ میں لی ہے ، وہاں ایک لہکتی مہکتی تہذیب اور حد درجہ دل آویز ثقافت ضرور وجود میں آئی ۔ سنبھلے ہوئے ذوق کو کمال ملا ، تخلیقی مزاج نے ہر طرف دھوم مچا دی ، اور ایسی ایسی قدریں ابھریں جن سے بہت سے معاشرے ابھی تک محروم ہیں !

لیکن ، ان سب حقیقتوں کے ہوتے ہوئے بھی وہاں تشیع کے آئین و قوانین کی گرفت ڈھیلی ڈھیلی سی رہی ، یعنی ! شیعہ عوام کو ہر جگہ ’’ فقہی ذہن ‘‘ نہیں میسر ہوا ۔ اسی باعث ’’ جان و جہاں ‘‘ سے تعلق رکھنے والے قواعد و ضوابط ٹھٹھر کر رہ گئے ۔ نہ نافذ ہوئے اور نہ تفصیل سے عوام تک پہنچ سکے !

اب اس کے بھی مختلف عوامل ، کئی سبب اور خاص حالات ہیں جنہیں اس وقت ہم کھل کر بیان کرنے کے موقف میں نہیں ہیں ۔

خیر ! چلئے ، پھر اپنے موضوع کی طرف آتے ہیں ۔ لیجئے ! کچھ حضرات فرماتے ہیں کہ :

’’ قرآن مجید اور ہماری آسمانی قیادت کے

ہدایت ناموں میں تو تقلید ، اتباع اور پیروی کی سخت مذمت کی گئی ہے ۔ مثلاً درج ذیل آیۂ مبارکہ ملاحظہ ہو :

”وَ اِذَا فَعَلُوْا فَاحِشَةً ، قَالُوْا:
وَجَدْنَا عَلَيْهَا اٰبَاءَنَا وَاللّٰهُ اَمَرَنَا
بِهَا ۔ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَاْمُرُ بِالْفَحْشَآءِ،
اَتَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۔“

” یہ لوگ جب کوئی ایسا کام کرتے
جس سے شرم آئے ! تو کہتے ہیں کہ :
ہم نے اپنے باپ دادا کو اسی راہ پر
چلتے دیکھا ہے اور اللہ ہی نے ہمیں
یہ کرنے کا حکم دیا ہے ، ان سے کہو

اللہ کبھی کسی بری حرکت کا حکم نہیں
دیتا ۔ کیا تم خدا کا نام لے کر وہ
باتیں کہتے ہو جن کے بارے میں
تم کچھ نہیں جانتے ! [۱]

پھر صرف یہی ایک آیت نہیں ، بلکہ اس مضمون
کی کئی آیتیں ہیں ، جیسے :

”وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ : تَعَالَوْا اِلٰى
مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ وَ اِلَى الرَّسُوْلِ ،
قَالُوْا : حَسْبُنَا مَا وَجَدْنَا عَلَيْهِ
اٰبَآءَنَا ، اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآءُهُمْ

---

[۱] سورۂ مبارکہ اعراف : ۲۸ ۔ عہد جاہلیت میں عرب خواتین برہنہ ہوکر خانۂ کعبہ کا طواف کرتی تھیں ، اس آیت میں اسی روداد کا بیان ہے ۔

لَا یَعْلَمُوْنَ شَیْئًا وَّلَا یَهْتَدُوْنَ۔"

"اور جب انہیں یہ بتایا جاتا ہے کہ:
اللہ نے تمہارے لیے جو قانون
اُتارا ہے، اس کی طرف آؤ،
اور رسولؐ کی بتائی ہوئی باتوں پر
عمل کرو، تو وہ کہتے ہیں کہ:
ہمارے لیے تو بس، وہی کافی ہے
جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو
چلتے دیکھا ہے۔ کیا یہ اپنے پُرکھوں
کی راہ پر ہی لگے رہیں گے، خواہ
وہ ذرا بھی علم نہ رکھتے ہوں اور
صحیح راستے سے بالکل بے خبر ہی

کیوں نہ ہوں ۔'' ؎

نیز ، اب یہ چند آیات بھی ملاحظہ ہوں ، جن میں حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم سے گفتگو فرمائی تھی ، یہ اس کا خلاصہ ہے :

'' قَالُوْا نَعْبُدُ اَصْنَاماً فَنَظَلُّ لَهَا عٰكِفِيْنَ ۔ قَالَ : هَلْ يَسْمَعُوْنَكُمْ اِذْ تَدْعُوْنَ ۔ اَوْ يَنْفَعُوْنَكُمْ اَوْ يَضُرُّوْنَ ۔ قَالُوْا : بَلْ وَجَدْنَا اٰبَاءَنَا كَذٰلِكَ يَفْعَلُوْنَ ۔''

(ابراہیمِ خلیلؑ نے جب کالڈیا کے صنم کدے کے مہاپجاری اور اپنی قوم سے یہ سوال کیا کہ :

؎ سورۃ مبارکہ مائدہ : ١٠٤

تم سب کس کی پرستش کرتے ہو ؟

تو انہوں نے کہا :

یہ کچھ بُت ہیں ، جن کی ہم پوجا پاٹھ کرتے ہیں اور ان ہی کی خدمت میں لگے رہتے ہیں ، ابراہیمؑ نے پھر پوچھا : جب تم انہیں پکارتے ہو ، تو یہ تمہاری سُنتے ہیں ؟ یا تمہیں کوئی نفع نقصان پہنچاتے ہیں ؟ اس پر انہوں نے بتایا : ” نہیں ! “ ہم نے تو بس اپنے باپ دادا کو یہ کرتے دیکھا ہے ۔ [1]

---

[1] سورۂ مبارکہ شعراء : ۷۰ تا ۷۴

اور آیئے ! اس کے بعد چند مزید آیتوں سے بھی فیض حاصل کرتے چلیں :

"وَ قَالُوْا : لَوْ شَآءَ الرَّحْمٰنُ مَا عَبَدْنٰهُمْ ، مَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ ، اِنْ هُمْ اِلَّا يَخْرُصُوْنَ ـ اَمْ اٰتَيْنٰهُمْ كِتٰباً مِّنْ قَبْلِهٖ فَهُمْ بِهٖ مُسْتَمْسِكُوْنَ ـ بَلْ قَالُوْا : اِنَّا وَجَدْنَآ اٰبَاءَنَا عَلٰٓى اُمَّةٍ وَّ اِنَّا عَلٰٓى اٰثَارِهِمْ مُّهْتَدُوْنَ ـ"

" اب (مشرکوں) کا کہنا یہ ہے کہ : مہربان خدا اگر نہ چاہتا ، تو ہم جن کی عبادت بجا لا رہے ہیں ، ان کی

عبادت نہ کرتے ۔ یہ مسئلے کی اصلیت
سے واقف نہیں ہیں ، اور بے بنیاد ،
اٹکل پچّو باتیں کرتے ہیں ۔
کیا ان کے پاس ہماری بھیجی ہوئی
کوئی دستاویز ہے جس کے برتے پر
یہ اپنی (ملائکہ پرستی) کا جواز پیش
کر سکیں ؟
ان کا استدلال تو یہ ہے کہ :
ہم نے اپنے اسلاف کو ایک ڈگر پر
چلتے دیکھا ، بس ! ہم بھی ان کے
قدم بقدم چل پڑے ۔'' [1]

---

[1] سورۂ مبارکہ زُخرف : ۲۰ تا ۲۲

اب اس مرحلے پر ہم اپنے عالی قدر اور گرامی فکر پڑھنے والوں سے گزارش کریں گے کہ تقلید کے بارے میں جو حضرات نامناسب سا رویہ رکھتے ہیں ، وہ دو جتھوں میں بٹے ہوئے ہیں ۔

ایک تو وہ جو بھاری بھر کم بزرگ ہیں ، اور جن کا تعلق پرانے زمانے سے ہے ، وہ درحقیقت بڑے پڑھے لکھے نہایت قدآور اشخاص ہیں ، نیز ان دانشوروں کے علمی مجموعے کلاسیکی نوعیت کے دلائل سے آراستہ ہیں ۔

دوسرا گروہ عصرِ حاضر کے ان باسواد ، جذباتی ، اصلاح پسندوں پر مشتمل ہے جو اپنے گرد و پیش کے روح فرسا ماحول اور اسے برقرار رکھنے والے کرداروں

سے بیزار ہو چکے ہیں ۔ پھر خدا جانے ، کب سے یہ بے چارے دُکھ درد میں پھنسے ہوئے ہیں ۔ جب انہیں اپنے اطمینان کی کوئی صورت نہیں دکھائی دیتی ، تو پھٹ پڑتے ہیں !

اور ...... یہ تازہ واردانِ بساطِ ہنروری اس درجہ حسّاس ہو جاتے ہیں کہ اپنی پرچھائیں سے بھی اُلجھنے لگتے ہیں ! انہوں نے سوزِ جگر اور دل کی تپش سے بے قابو ہو کر نظامِ زندگی کے پُرزے اُڑانے کی جو ٹھانی ہے ، وہ عجیب و غریب بات ہے !

سمجھدار لوگ تو درد کا درماں کرتے ہیں ۔ خودکشی نہیں کرتے ۔ آگ لگتی ہے تو بجھانے دوڑتے ہیں ۔ شعلوں پر تیل نہیں چھڑکتے ۔ بہیا آتی ہے تو

سازوسامان کو بچانے کی کوشش میں لگ جاتے ہیں ۔ اسے موجوں کے اُتار چڑھاؤ پر نہیں چھوڑ دیتے ۔ اصلاح کا جذبہ ہے ، تو حوصلہ بھی پیدا کرنا چاہیئے ۔

بہرحال ! اب ہم ان اُبھرتے ہوئے دانشوروں سے آگے چل کر ملیں گے ۔ سرِدست ، کمال احترام کے ساتھ ایوانِ علم کی ان قدیم گراں پایہ ہستیوں کی خدمت میں عرض ہے :

بزرگانِ ملّت !

خدا کو حاضر و ناظر جان کر فرمایئے کہ : ہم نے جن آیاتِ مبارکہ کا حوالہ دیا ہے ، ان میں اسی تقلید کو برا کہا گیا ہے جو فقہ جعفری کا ایک واجب التعمیل حکم ہے ، اور ان آیتوں کے ذریعے ان ہی تقلید شعاروں

کی ہجو کی گئی ہے جو اصول پسند شیعیانِ اہل بیتؑ ہیں ؟

کیا ان آیتوں کا خطاب کُفر آشنا اور شرک پسند جماعتوں سے نہیں ؟ نیز ان میں جن افکار و اعمال کا بیان ہے ، ان کی ذرا سی جھلک بھی کسی شیعہ مقلد میں نظر آتی ہے ؟

یہ آیتیں تو ایک ایسی قوم کے مزاج ، رفتار ، گفتار ، کردار ، جذبات ، احساسات ، نفسیات ، عقائد اور روایات کی عکاسی کرتی ہیں ، جو تمدن سے دور ، فرہنگ ناشناس ، کوتاہ بین ، بلا کے ضدی ، ہٹی ، کٹر ، اور اڑیل واقع ہوئی ہو !

یا پھر ان آیاتِ قرآنی کے مطلب سے آدمیوں

کے ایک ایسے گروہ کی تصویر سامنے آتی ہے ، جس کی عقل ٹھٹھری ہوئی ہو ! جس کا دماغ پتھرا چکا ہو ! اور وقت کی آمریت نے اُسے اس ڈگر پر ڈال دیا ہو جہاں ادراک ختم اور فہم و فراست دم توڑ دیتی ہے !

اچھا ! اس قسم کی اور بھی متعدد آیات ہیں ، مگر نفسِ مقصد کو واضح کرنے کے لیے یہ کافی ہیں ۔ پھر بھی مزید ایک دو آیتیں درج کرنے کو جی چاہتا ہے ، تلاوت کیجیے :

”وَ اِذَا قِیْلَ لَھُمُ اتَّبِعُوْا مَآ
اَنْزَلَ اللّٰہُ، قَالُوْا : بَلْ نَتَّبِعُ
مَآ اَلْفَیْنَا عَلَیْہِ اٰبَآءَ نَا ، اَوَلَوْ
اٰبَآؤُھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ شَیْئاً وَّ

لَا يَهْتَدُوْنَ ۔ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ
كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِىْ يَنْعِقُ بِمَا
لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّ نِدَآءً ،
صُمٌّ بُكْمٌ عُمْىٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔"

" (مشرکوں سے) جب کہا جاتا ہے کہ
اللہ نے تمہارے لیے جو احکام نازل
کیے ہیں ، ان کی پیروی کرو ، تو وہ
جواب دیتے ہیں کہ : ہم تو اپنے
آبائی مسلک پر گامزن ہیں ! اب اگر
ان کے باپ دادا نے عقل سے کوئی
کام نہ لیا ہو اور راہِ راست نہ پائی ہو ،
تو پھر بھی ان ہی کی چال چلتے رہیں گے ؟

یہ لوگ جو خدا کے بنائے ہوئے
راستے کو اختیار کرنے سے انکار
کرتے ہیں ان کی حالت بالکل
ویسی ہے جیسے چرواہا جانوروں کو
پکارتا ہے ، اور وہ ہانک پکار کی
آوازوں کے سوا کچھ نہیں سُنتے ۔
یہ سب بہرے ہیں ، گونگے ہیں ،
اندھے ہیں ۔ اس لیے کوئی بات
ان کی سمجھ میں نہیں آتی !"

یہاں پھر ایک دفعہ عرض کریں گے کہ :
صاحبو ! ذرا انصاف کرنا ، ان آیتوں میں جس

سورۂ مبارکہ بقرہ : ۱۷۰ - ۱۷۱

طور طریق اور حال احوال کا نقشہ کھینچا گیا ہے وہ کسی طرح بھی زیرِ بحث ادارۂ تقلید و اجتہاد سے کوئی مناسبت رکھتا ہے ؟ لہٰذا انسانی رہبری کے اس بندوبست پر تہمت لگانا ، الزام تراشی کرنا ، کس طرح معقول کام قرار دیا جا سکتا ہے ؟

جن لوگوں نے اقوامِ عالم کی زندگی اور ان کے طرزِ تفکر کا مطالعہ کیا ہے ، وہ جانتے ہیں کہ قوموں میں جب ماضی کا تقدّس گھر کر لیتا ہے تو پچھلے دور کی چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی بہت بڑی اور قابلِ پرستش بن جاتی ہے ۔

رہی یہ بات کہ پورے قُرآن میں اور حدیث کے سارے ذخیرے میں ، تقلید کا لفظ ڈھونڈے سے

نہیں ملتا ۔ بنا بریں ، ہم قدیم و جدید اخباریت کے حامی اسے نہیں مانتے !

ٹھیک ہے ! اس اصرار کو دیکھتے ہوئے گزارش ہے کہ : مقصد و مراد ، غرض و غایت ، لفظ ہے یا مفہوم ؟ ظاہر ہے ، ہر پڑھا لکھا آدمی مفہوم ، مطلب اور مدعا کو مرکزِ فکر و نگاہ بنائے گا ۔

اب دیکھیے ! رجوع ، اخذ ، انداز ، سؤال ، تعلیم ، تذکر ، نیز ہدایت اور ان لفظوں سے بنے ہوئے الفاظ سے وہی منشاء پورا ہوتا ہے ، جس کی تکمیل ، تقلید کی اصطلاح سے ہوتی ہے ، یا نہیں ؟ یہ سب الفاظ قرآن کریم میں استعمال ہوئے ہیں ۔

آخر میں ایک اور پرلطف بات! توجہ سے ملاحظہ

کیجیے ۔ ان تمام آیتوں کو تقلید نہ کرنے کے ثبوت میں پیش کیا جاتا ہے ، جب کہ یہ تمام آیاتِ مبارکہ ، تقلید کے علم اور انداز کی تعلیم دے رہی ہیں کہ کس کی روش پر چلیں ؟ اور کن امور میں سرِ تسلیم جھکائیں ؟ نا فہم لوگوں کی راہ و رسم اپنانے سے اندھیری چھائے گی ، روشنی نصیب نہیں ہوگی !

اور علم و آگہی رکھنے والوں کی بات ماننے سے چودہ طبق روشن ہوجائیں گے !

اچھا ،

اب تھوڑی

سی زحمت اور !

دیکھیئے ! اندھیرے میں کھوئے ہوئے باپ دادا ،
اور جہالت میں ڈوبی ہوئی سماج کی راہ پر چلنے کو تقلید
نہیں کہتے ! فقہ کی زبان میں ، جاگتے دماغ اور کھلی ہوئی
آنکھوں کے ساتھ اپنے فرائض سے واقف ہونے کے
عمل کو تقلید کا نام دیا جاتا ہے ۔

پھر تقلید کا رشتہ ، اصول و مسلّمات سے نہیں ،
بلکہ روزمرّہ پیش آنے والے مسائل و معاملات سے ہے ۔

لیکن ! جو لوگ اس بات پر اڑے ہوئے ہیں کہ :

وہ نہ تو تقلید کو مانیں گے اور نہ اجتہاد کو قبول کریں گے ۔ اور دلیل یہ دیتے ہیں کہ :

ان نظریات کا نہ تو اللہ کی کتاب میں کوئی تذکرہ ہے اور نہ حدیثِ معصومؑ میں کہیں نشان دکھائی دیتا ہے ۔

ان کی خدمت میں عرض ہے کہ :

حضور والا ! جہاں تک قرآنِ حکیم کا تعلّق ہے ، اس بارے میں ہم بہت کچھ لکھ چکے ہیں ۔ اب رہا یہ کہ معصومؑ ہستیوں نے اس سلسلے میں کیا فرمایا ہے ، تو اس پر بھی خاصی گفتگو ہوچکی ہے ۔

مگر ، مزید وضاحت کے لیے حضرت امام حسن عسکریؑ کے ایک فرمان کو ہم قدرے تفصیل سے لکھ کر آنکھوں کی زینت بنانے کی سعادت حاصل کرتے ہیں ، اور

اس معروضے کے ساتھ کہ :

جو محترم حضرات ، چیخ چیخ کر اعلان کر رہے ہیں کہ رسول کریمؐ اور ائمہ اطہارؑ کے زمانے میں تقلید کا لفظ عنقاء تھا ، ان کی خدمتِ عالی میں گزارش ہے کہ : اس دور میں یہ لفظ عام نیز اصطلاح کے طور پر بھی وقت کے رائج سکے کی طرح مقبول ، ہر شخص کی نوکِ زبان پر تھا ۔ عورتیں بھی بے جھجک اس لفظ کو استعمال کرتی تھیں ! سند کے طور پر ملاحظہ فرمایئے :

”عَنْ اَبِیْ بَصِیْرٍ، قَالَ :
دَخَلَتْ اُمُّ خَالِدِ الْعَبْدِیَّةِ عَلٰی
اَبِیْ عَبْدِاللّٰہِ علیه السلام ، وَ

اَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَتْ : جُعِلْتُ فِدَاکَ، اِنَّهُ یَعْتَرِیْنِی قَرَاقِر فِیْ بَطْنِیْ، وَقَدْ وَصَفَ لِیْ اَطِبَّاءُ الْعِرَاقِ، النَّبِیْذَ بِالسَّوِیْقِ، وَ قَدْ وَقَفْتُ وَ عَرَفْتُ کِرَاهَتَکَ لَهُ، فَاَحْبَبْتُ اَنْ اَسْئَلَکَ عَنْ ذٰلِکَ، فَقَالَ لَهَا: وَمَا یَمْنَعُکِ عَنْ شُرْبِهِ ؟ قَالَتْ : قَدْ قَلَّدْتُکَ دِیْنِیْ، فَاَلْقَی اللّٰهَ عَزَّوَجَلَّ حِیْنَ اَلْقَاهُ فَاُخْبِرَهُ اَنَّ جَعْفَرَ بْنَ مُحَمَّدٍ علیه السلام اَمَرَنِیْ وَ نَهَانِیْ، فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ! لَا آذَنُ لَکِ فِیْ قَطْرَةٍ مِّنْهُ وَلَا تَذُوْقِیْ مِنْهُ قَطْرَةً

فَاِنَّمَا تَنْدَمِيْنِیْ اِذَا بَلَغَتْ نَفْسُکِ
هٰهُنَا ، وَاَوْمیٰ بِيَدِهٖ اِلیٰ حَنْجَرَتِهٖ ،
يَقُوْلُهَا ثَلَاثاً : أَفَهِمْتِ ؟ قَالَتْ : نَعَمْ !

روایت ابو بصیرؒ کی ہے ، جن کی اس خصوصیت پر تمام علمائے امامیہ کا اجماع و اتفاق ہے کہ : ان کی بات میں کوئی کھوٹ نہیں ہوتی ، اور وہ ہر لحاظ سے لائقِ اعتبار ہیں ۔

اور سرچشمۂ حدیث ، حضرت صادق آل محمدؑ ہیں نیز یہ ارشاد ہمارے اصول و فروع کے سب سے پرانے مجموعے الکافی میں درج ہ ے جو مکتبِ تشیع کے سب سے بڑے محدث محمد ابن یعقوب کلینیؒ (متوفی ۳۲۸ھ) کے مساعی جمیلہ کا شاہکار ہے ۔

متنِ حدیث کا مطلب کچھ یوں ہے :

'' ابو بصیر کہتے ہیں کہ : میں سرکار امام جعفر صادقؑ کی خدمت میں حاضر تھا کہ ام خالد العبدیہ نام کی ایک خاتون بارگاہِ امامت میں آئیں اور عرض کرنے لگیں : صدقے جاؤں ، میرے پیٹ میں اکثر گڑگڑاہٹ ہوتی رہتی ہے ، عراق کے معالج کہتے ہیں : شراب میں ستّو گھول کر پیا کرو ۔ مگر میں جانتی ہوں کہ آپؑ اسے پسند نہیں فرماتے ۔ اس لیے حضورؑ سے پوچھنے آگئی ہوں ۔

یہ سُن کر امام عالی مقام نے فرمایا :

تو پھر ! اس کے استعمال میں کیا دشواری
محسوس کر رہی ہو ؟ خاتون نے عرض کی :
میں آپؑ کی تقلید میں ہوں ۔ اب جب
خدا کی بارگاہ میں پہنچوں گی تو کہوں گی
کہ حضرت جعفر ابن محمد علیہما السلام نے مجھے
اس کی اجازت دی تھی یا ممانعت کی تھی !
امامؑ نے یہ سنتے ہی فرمایا :
تمہاری جان نکلنے لگے تب بھی اس کی ایک
بوند نہ چکھنا ۔ نہیں مانو گی تو جب جان
یہاں تک پہنچ جائے گی تو بہت پچھتاؤ گی ،

اور یہ فرما کر آپؑ نے اپنے ہاتھ سے اپنے
گلے کی طرف اشارہ کیا پھر یہ بات تین دفعہ
تکرار کی اس کے بعد پوچھا : آیا سمجھ میں ؟
ام خالد نے کہا : جی ہاں ! [1]

اس سلسلہ میں اور بھی بہت سے حوالے ہمارے سامنے ہیں ، مگر طول دینے سے کیا حاصل ؟ البتہ یہ کہنے کو جی چاہتا ہے کہ جو تقلید کے لفظ کو ائمہ کے دور میں تلاش کرنے کی کوشش کر رہے ہیں ، انہیں اب اس حدیث پر گفتگو کے لیے لفظوں کا ذخیرہ

---

[1] فروع کافی ، شیخ کلینی ، ج : ۶ ، ص : ۴۱۳ ، ح : ۱ ، طبع دارالکتب اسلامیہ ، تہران ۔
الحدائق الناضرہ ، محقق بحرانی ، ج : ۱ ، ص : ۲۸۸ ، طبع بیروت
وسائل الشیعہ ، شیخ حر عاملی ، ج : ۲۵ ، ص : ۳۴۴ ، انتشارات موسسۃ آل البیتؑ ، قم ۔
جواہر الکلام ، شیخ محمد حسن نجفی ، ج : ۳۶ ، ص : ۴۴۵ ۔

ڈھونڈ لینا چاہیے !

آمدم بر سرِ مطلب !

اب ہم گیارہویں رہبر حضرت امام حسن عسکریؑ کے اس فرمانِ مبارک کے لفظوں کو جن کے ذریعے آپ نے تقلید کا حکم دیا ہے ، انہیں لکھ کر اپنے دل کو چین اور آنکھوں کو رونق دینے کی سعادت حاصل کرتے ہیں ۔

اس میں پہلی بات تو یہ ہے کہ بعض قلم کاروں نے منصفانہ طور طریقے سے علمی انداز میں مکمل جائزہ لینے کے بجائے بڑی جلدی میں اس حدیث کے کمزور ہونے کا اعلان کر دیا ! حالانکہ روایات کے بارے میں فیصلہ کرنے کے لیے درایت اور رجال کے

قاعدوں سے واقفیت ضروری ہے ۔

اس ضمن میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ صحت و اعتبار کے لیے نفسِ مضمون کو پرکھنا چاہیے ۔ یہ دیکھنا لازم ہے کہ اس کا ہر حصہ اساسی احکام اور بنیادی شرائط کے مطابق ہے یا نہیں ؟ عبارت میں معنوی قوت اور مطلوبہ معیاری متانت بھی پائی جاتی ہے یا ان خوبیوں سے خالی ہے ۔

علاوہ ازیں اس کی بھی اچھی طرح جانچ پڑتال کرلی جائے کہ روایت جن واسطوں سے ملی ہے وہ کس حیثیت کے ہیں ، کیا درجہ رکھتے ہیں ؟

پھر جن دانشوروں نے اسے قبول کر کے اپنی علمی کاوشوں کا حصہ بنایا ہے ان کی تحقیقات کس

پائے کی ہیں اور علمی دنیا میں ان کا اپنا کیا مقام ہے ؟

مگر جتنے قاعدے کسوٹی کا کام دیتے ہیں ، انہیں چھوڑ کر بعض عُجلت پسند لکھنے والوں نے زیرِ نظر حدیث کے معاملے میں کچھ شکوک و شبہات کا اظہار کیا ہے ۔ مثلاً سلسلۂ سند کے بارے میں مطمئن نظر نہیں آتے ، کیونکہ اس کے راویوں میں :

☆ محمد احمد ابن عباس

☆ محمد ابن قاسم

☆ یوسف ابن محمد ابن زیاد

☆ اور علی ابن محمد ابن یسار ، ہیں ۔

مگر ، کاش ! نکتہ چیں پہلے اس میدان کے

بڑے بڑے مردم شناس بزرگوں ، یعنی ، علمِ رجال کے علماء کی رائے معلوم کر لیتے کہ اس ضمن میں وہ کیا کہتے ہیں ؟

اطمینان کے لیے ملاحظہ ہو :

☆ بہجۃ الآمال ، علامہ علی الطیاری جلد : ۲ ، صفحہ : ۵۶ ، طبع بنیاد فرہنگ اسلامی ، ایران ۔

☆ تنقیح المقال ، آیۃ اللہ مامقانی ، جلد : ۱ ، صفحہ : ۲۸۰ ، انتشارات جہان ، تہران ۔

☆ معجم رجال الحدیث، آیۃ اللہ خوئی، جلد : ۱۵ ، صفحہ : ۹ ، انتشارات آثار شیعہ ، ایران ۔

دانش و آگہی کے ان تمام مجموعوں میں ان راویوں کو جن کا ابھی ذکر ہوا ہے ، بڑا ثقہ ، اعتبار

کے قابل اور اعتماد کا اہل قرار دیا گیا ہے، اور جن عظیم ہستیوں نے اپنی بیش قیمت کاوشوں میں اس حقیقت کا اظہار کیا ہے، وہ سب کے سب ہمارے فکری قائد اور تحفۂ روزگار ہیں۔

اب ہم پہلے اس حدیث کی عبارت جو معتبرۂ طوسی کے عنوان سے شہرت رکھتی ہے، ترقیم کرنے کا شرف حاصل کرتے ہیں۔ ہمارے گیارہویں امامؑ ارشاد فرماتے ہیں:

"فَاَمَّا مَنْ کَانَ مِنَ الْفُقَهَاءِ
صَائِناً لِنَفْسِهٖ، حَافِظاً لِدِیْنِهٖ،
مُخَالِفاً لِهَوَاهُ، مُطِیْعاً لِاَمْرِ مَوْلَاهُ
فَلِلْعَوَامِ اَنْ یُقَلِّدُوْهُ۔"

" جو فقیہ خود کو سنبھالے ہوئے ہوں ،

اپنے دین کی رکھوالی کرتے ہوں ،

خواہشاتِ نفسانی کا ساتھ نہ دیتے ہوں ،

اور خداوندِ عالم کے فرماں بردار ہوں ،

تو عوام کو چاہیے کہ ان کی تقلید کریں ۔"

ہاں ! جو لوگ کہتے ہیں کہ یہ روایت تو بس ،

ایک غیر معتبر سی تفسیر میں لکھی ہوئی ہے ۔ ١

تو ایسے کتب نا آشنا حضرات کے لیے حوالے کے طور

پر سرِ دست اٹھارہ ایسی کتابوں کے نام درج ہیں ،

جن میں یہ حدیث دوپہر کے سورج کی طرح روشن ہے !

---

١ قرآن شریف کی وہ تفسیر جو امام حسن عسکریؑ سے منسوب ہے اور جس میں تقلید کے بارے میں یہ حدیث مذکور ہے ۔ اس تفسیر کو بعض لوگ غیر معتبر بتاتے ہیں ۔ ہم اس بحث کے آخر میں انشاء اللہ اس پر سیر حاصل گفتگو کریں گے ۔

ملاحظہ کیجیے :

﴿ ۱ ﴾ وسائل الشیعہ ، شیخ حُر عاملی، جلد : ۲۷ ،
صفحہ : ۱۳۱ ، انتشارات مؤسسۃ آلِ البیتؑ ، قم ۔

﴿ ۲ ﴾ الاحتجاج، شیخ احمد ابن علی طبرسی، ج:۲،
صفحہ : ۲۶۳ ، طبع مؤسسۃ الاعلمی ، بیروت ۔

﴿ ۳ ﴾ تفسیر امام حسن عسکریؑ ، صفحہ : ۳۰۰

﴿ ۴ ﴾ مستند الشیعہ، محقق نراقی، جلد: ۲، صفحہ : ۵۱۹

﴿ ۵ ﴾ بحار الانوار ، علامہ مجلسی ، ج : ۲ ،
ص : ۸۸ ، طبع مؤسسۃ الوفا بیروت ۔

﴿ ۶ ﴾ کنز الدقائق، میرزا محمد مشہدی، ج : ۱ ،
ص : ۳۸۱ ۔

﴿ ۷ ﴾ فرائد الاصول ، شیخ مرتضٰی انصاری ،

ج : ۱ ، ص : ۱۴۱ ۔

﴿ ۸ ﴾ عوائد الایام ، محقق نراقی ، ص : ۱۹۹ ، منشورات مکتبۂ بصیرتی ، قم ۔

﴿ ۹ ﴾ نہایۃ الافکار ، شیخ ضیاء الدین عراقی ، ج : ۴ ، ص : ۲۴۴ ۔

﴿ ۱۰ ﴾ حصر الاجتہاد ، آقا بزرگ تہرانی ، ص : ۳۴۱

﴿ ۱۱ ﴾ کتاب القضاء ، شیخ انصاری ، ص : ۳۴۱

﴿ ۱۲ ﴾ العروۃ الوثقی ، سید محمد کاظم یزدی ، ج : ۱ ، ص : ۱۰ ، طبع مؤسسۃ الاعلمی ، بیروت ۔

﴿ ۱۳ ﴾ مستمسک عروۃ الوثقیٰ ، سید محسن حکیم ، ج : ۱ ، ص : ۴۱ ، طبع بیروت ۔

﴿ ۱۴ ﴾ الفقہ الاستدلالی ، سید ابوالقاسم خوئی ، ج : ۱

صفحات: ۸۱ ، ۱۰۵ ، ۲۲۱ ، ۲۳۰ ، ۲۳۱ ، ۲۳۶

﴿ ۱۵ ﴾ الاجتہاد والتقلید ، شیخ احمد آذری قمی ،
ج: ۱ ، ص: ۳۲ ، انتشارات مؤسسۃ دار العلم، قم۔

﴿ ۱۶ ﴾ مسائل من الاجتہاد والتقلید، شیخ حسین نوری،
ص : ۱۰۱ ، مرکز النشر الاسلامی ، قم ۔

﴿ ۱۷ ﴾ الاجتہاد والتقلید ، شیخ محمد مہدی الآصفی
ص : ۱۰۵ ، ناشر مرکز الغدیر، چاپ سوم ، قم ۔

﴿ ۱۸ ﴾ عوالم العلوم، شیخ عبداللہ بحرانی، جزو: ۳ ،
ص : ۴۲۰ ، طبع قم ۔

اور اب اس گفتگو کے خاتمے پر حجتِ خدا سرکار امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ایک حکم محکم بھی ذہن نشین کر لینا چاہیے ۔ ہمارے لیے یہ کسی روایت کے جاننے اور

ماننے کا انتہائی بصیرت افروز قاعدہ ہے ۔

مکتب تشیع کے سب سے بڑے محدث اور فقیہ شیخ محمد ابن حسن حُر عاملی لکھتے ہیں :

ناحیہ مقدسہ سے صادر ہونے والے اس فرمان کو محمد ابن عبد العزیز کشی نے اپنی کتاب " الرجال " کے ذریعے ، علی ابن محمد ابن قتیبہ اور انہوں نے محمد ابن ابراہیم مراغی کے حوالے سے ہمارے سپرد کیا ہے ۔

ہدایت نامے کے الفاظ یہ ہیں :

" فَاِنَّه' لَا عُذْرَ لِاَحَدٍ مِّنْ مُّوَالِيْنَا فِی التَّشْكِيْكِ فِيْمَا يُؤَدِّيْهِ عَنَّا ثِقَاتُنَا ۔"

" ہماری جانب سے جب ہمارے بھروسے

کے لوگ کوئی پیغام پہنچائیں تو ہمارے
دوستوں کو اسے قبول کرنے میں کسی
بہانے بھی کوئی شک نہیں کرنا چاہیے۔" [۱]
اور ایوانِ علم کی زینت حضرت امام جعفر صادقؑ
نے صحتِ حدیث کے بارے میں اپنے ہونہار شاگرد
عمر ابن حنظلہ کے توسط سے ایک اور کلیدی ضابطہ عطا
فرمایا۔

ارشاد ہوتا ہے:

"اِنَّ الْمُجْمَعَ عَلَیْهِ لَا رَیْبَ فِیْهِ۔"

"جس حدیث پر دانشمندانِ ملت کا ایکا ہو

---

[۱] وسائل الشیعہ، ج: ۱، باب: ۳، ح: ۶۱، ص: ۳۸، تیسرا ایڈیشن، انتشارات مؤسسہ آل البیتؑ، قم۔

تو اسے تسلیم کرنے میں پس و پیش کرنے
کی ضرورت نہیں۔" [1]

"وَمَا عَلَيْنَا إِلَّا الْبَلَاغ۔"

[1] وسائل الشیعہ، ج: ۲۷، باب: ۹، ح: ۱، ص: ۱۰۶، تیسرا ایڈیشن، انتشارات مؤسسۃ آل البیت، قم۔

مکتبِ
اجتهاد

اسلام ہر شخص کو اس امر کا پابند کرتا ہے کہ وہ زندگی کے تمام کاموں کو ان قواعد و ضوابط کے مطابق انجام دے جن کے مجموعے کو شریعت کہا جاتا ہے ۔

مگر کسی عمل کو اس سے لگاؤ رکھنے والے حکم کے سانچے میں ڈھالنے کے لیے متعلقہ آئین و قوانین کی تفصیلات سے واقفیت ضروری ہوتی ہے ۔

اسی لیے اصولِ دین اور فروعِ دین کے بارے

میں تفصیلی معلومات حاصل کرنا ہر ایک کا فرض ہے ۔

عقلی اعتبار سے بھی یہ بات درست ہے نیز "کتاب و سنت" سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے ۔

لیکن ! اطمینان بخش طریقے پر مسائل کو سمجھنے اور سمجھانے کے لیے ہر زمانے کے کچھ خاص تقاضے ہوتے ہیں اور ہر دور کو طرح طرح کی تشریحی طریقوں کی طلب ہوتی ہے !

حضور پیغمبر اکرمؐ کے عہدِ مبارک سے لے کر غیبتِ کبریٰ کے زمانے تک جب بھی لوگوں کو ، کوئی مشکل پیش آتی تھی ، ہمارے عظیم رہنماؤں کی نگاہِ التفات سے حل ہوجاتی تھی ۔

مگر جب یہ آسانی نہ رہی ، اوپر سے جدید تمدّن

کے نقش صحرا صحرا ابھرنے لگے ۔ نئی ثقافت تیزی سے خیاباں خیاباں رنگ جمانے لگی ۔ آمد و رفت میں آسانیاں پیدا ہوئیں ۔ آبادی بڑھی ، دنیا سکڑنے لگی ، نو واردوں کی کثرت ، دیس دیس کے باسیوں کا میل جول ، کاروبار میں برق رفتاری ، صنعتوں کی ریل پیل ، ایجادوں کا زور شور ، رہنے سہنے کا قرینہ ، پہننے اوڑھنے کا انداز ، کھانے پینے کا ڈھنگ ، آنے جانے کی رَوِش ، لکھنے پڑھنے کا عنوان ، علاج معالجے کا طریقہ !

غرضیکہ ، زندگی کے اکثر تقاضوں میں تبدیلی پیدا ہوئی اور معیشت و معاشرت کے بہت سے پہلوؤں کو انقلاب راس آگیا !

نتیجۃً ، ایک نئی دُنیا نے فروغ پایا !

اب ان نوظہور حالات میں بے شمار ایسی چیزیں ہیں ، جنہیں برتنے کے لیے درست و نا درست اور جائز و ناجائز ہونے کی کوئی دلیل درکار ہوتی ہے ۔ مگر '' کتاب و سنت '' میں آسانی سے یہ ہمیں نہیں ملتی .... !

البتہ ، اس کا یہ مطلب نہیں لینا چاہیے کہ '' قرآن و سنت '' کے مقدّس ذخیرے میں ہمارے معاملات کا حل موجود نہیں ۔ حل ہے !

مگر حقیقت یہ ہے کہ کچھ مسائل تو تھوڑی سی سعی و آگہی سے معلوم ہوجاتے ہیں ، البتہ بعض امور کی دریافت کے لیے نہایت گہری نظر اور فنی قابلیت

درکار ہوتی ہے ۔ بس ! یہی علمی کد و کاوش اور ماہرانہ تحقیق و جستجو ، فقہ و اصول کی زبان میں :

"استنباط و اجتہاد" کہلاتی ہے ۔

ایک بات اور !

دیکھیے ، انسانی تاریخ کے ہر دور میں قانون قاعدوں کا وجود ضروری سمجھا گیا ہے ۔ خواہ وہ رسم و رواج کے روپ میں ہوں یا کسی آمر اور کج کلاہ کے فرمانوں کی صورت میں ، کوئی دستورساز ادارہ اور انسانوں کی بنائی ہوئی مقننہ اس کی تخلیق کار ہو ، اور یا کسی دین کے احکام و ہدایات کا مجموعہ ہو ۔

بہرحال ، یہ سب اپنی اصل و شکل کے حوالے سے قانون ہی کے نام سے پہچانے جاتے ہیں ۔

تہذیبوں کی پرانی سرگزشتوں نے " آشوری ثقافت " کے بڑے گن گائے ہیں ، اور اس کی ایک بڑی وجہ یہ ہے کہ " حمورابی " کا آئین اسی دور سے تعلق رکھتا ہے ۔ [1]

یہ کہانی اٹھارہویں صدی قبل مسیح کی ہے ۔ دوآبۂ دجلہ و فرات کے شاداب علاقے سے تعلق رکھنے والے آفتاب پرست حکمران "حمورابی" نے ۲۸۵ / دفعات پر مشتمل ایک آئین عراق والوں کو دیا تھا ۔ یہ دستور جو میخی خط میں پتھر کی سلوں پر کھدا ہوا تھا، اور ۱۹۰۲ء سے پیرس کے عجائب گھر میں محفوظ ہے ۔

---

[1] حمورابی وہی نمرود ہے جو خدا کے خلیل حضرت ابراہیمؑ کو شعلوں کے حوالے کر کے ، اپنے انتقام کی آگ ٹھنڈی کرنا چاہتا تھا ۔

جس " سماجی بندوبست نامے " کی بات چل رہی ہے ، ہوسکتا ہے اپنے وقتوں میں فائدے سے بھرپور ہو ، مگر اب تو " حیات و حرکت " نہ ہونے کے باعث " حریرِ سنگ " پر کندہ کاری کا ایک پرانا نمونہ ہے !

بہرکیف ، جب کبھی " ضوابط و مقررات " میں اپنا کردار ادا کرنے کی طاقت نہیں رہتی اور ان میں وقت کے ساتھ چلنے کی توانائی ختم ہوجاتی ہے تو قانون قاعدے خواہ چٹانوں پر اُبھرے ہوئے ہوں یا کلیجوں میں اُترے ہوئے ہوں ، ہر صورت میں جینے جاگنے کے کام نہیں آتے !

اسی لیے معارفِ اسلامی پر جنہیں دسترس حاصل

ہے وہ کہتے ہیں کہ ہمارا ذخیرۂ فقہ و اصولِ فقہ ، ان مثالی ، معیاری اور حیات بداماں احکام و قواعد کا خزانۂ عامرہ ہے ، جو کسی آدمی کے دنیا میں آنکھیں کھولنے کے لمحے سے لے کر پُتلیاں پھرنے کے وقت تک ، دنیا اور آخرت سے وابستہ اس کی ہر ضرورت کی تکمیل کرتے ہیں اور اسی عنوان سے ہر دور کے انسانی معاشرے کے جملہ احتیاجات کی وسعتوں کو پورا کرنے کے لیے معجزانہ صلاحیت رکھتے ہیں ۔

اس کی ایک بڑی وجہ تو ہمارے مجموعۂ قوانین کی کرامت اور ان کا کمال ہے ۔ دوسرا سبب ، ان رہنما قاعدوں کی پختگی ہے جن کی مدد سے احکام کی

تہ تک ذہن پہنچ جاتا ہے ، اور پھر تلاش کے بعد جو حکم درکار ہو ، اسے حاصل کرنے کا عمل بھی انتہائی اثر انگیز ہوتا ہے ۔ ابھی ہم نے جس حقیقت کی جانب اشارہ کیا ، یعنی '' اصولِ فقہ '' جس کا وجود ایک عظیم نعمت ہے ۔

اس ضمن میں علمی دنیا کے جانے پہچانے دانشور ڈاکٹر محمد حمید اللہ فرماتے ہیں :

'' مسلمانوں کا سب سے بڑا کارنامہ غالباً '' اصولِ فقہ '' ہے ۔ مسلمانوں سے پہلے بھی دنیا میں قانون تھا لیکن اصولِ فقہ جیسی چیز ، دنیا میں کہیں نہیں ملتی ، اور آج ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ ایک امتیازی

اضافہ ہے جس کی بدولت علمِ قانون کی ایک بڑی کمی پوری ہوگئی ۔

مسلمان اس بات پر فخر کرسکتے ہیں ، اس معنی میں کہ قوانین تو دُنیا کے ہر ملک میں موجود تھے ، لیکن علم القانون اپنے مجرد تصور میں کسی قوم نے پیش نہیں کیا تھا ۔ یہ " اصولِ فقہ " وہ علم ہے جس کا اطلاق صرف اسلامی قانون پر ہی نہیں بلکہ دنیا کے کسی بھی قانون پر ہم کرسکتے ہیں ۔"

---

[1] خطبات بہاولپور از ڈاکٹر محمد حمید اللہ ، صفحہ ۱۱۸ و ۱۲۰ ، منشورات ادارہ تحقیقات اسلامی ، اسلام آباد ۔

تفسیر
حضرت امام
حسن عسکریؑ

تفسیروں کا ذخیرہ ہو یا حدیث کے مجموعے ، پہلے دانشوروں نے ترتیب دیا ہو یا بعد کے قلم کاروں نے انہیں جمع کیا ہو ، ہر صورت میں ان کاوشوں کو بالکل ٹھیک ٹھاک اور صد در صد صاف شفاف نہیں قرار دیا جا سکتا ۔

چنانچہ معارفِ اسلامی کی وہ مشہور و معروف کتابیں جن پر تمام مسلمان پورا بھروسہ کرتے ہیں ، صاحبانِ نظر

ان میں کوئی نہ کوئی کمزوری ڈھونڈ نکالتے ہیں ۔

مثلاً کہا جاتا ہے کہ :

" یہ بات اسرائیلی کہانیوں سے میل کھاتی ہے ۔"

" اس حدیث کے راوی غیر معیاری ہیں ۔"

"وہ روایت سند کے لحاظ سے درست نہیں ۔"

" اس میں جھول ہے ۔"

" اس میں شک کی گنجائش پائی جاتی ہے ۔"

وغیرہ وغیرہ ۔

مگر ان نقائص کے باوجود کوئی پیشکش پوری کی پوری کبھی مسترد نہیں ہوئی ۔ اس لیے کہ جزوی کوتاہیوں کے باعث اگر کتابوں سے قطع تعلق ہونے لگے تو پھر کتاب نام کی تو کوئی چیز باقی نہ رہے !

اسی لیے اربابِ فہم و فراست جب کسی علمی کام میں کوئی کمی پاتے ہیں تو اس کی وضاحت کر دیتے ہیں ، ساری محنت پر خط نسخ نہیں پھیرتے !

لیکن ، یہ کتنی حیرت انگیز بات ہے کہ وہ تفسیر جو حضرت امام حسن عسکریؑ سے منسوب ہے اس سے بعض حضرات اس قدر بیزاری کا اظہار کرتے ہیں جیسے اس میں جو کچھ تحریر ہے اس کے دیکھنے سے ان کا اسلام چھن جائیگا یا ایمان مِٹ کر رہ جائے گا !

حالانکہ اس قسم کے مطالب جو اس میں مذکور ہیں ، وہ دوسرے مجموعوں میں بھی پائے جاتے ہیں ۔

اب اس کی ایک ہی وجہ ہوسکتی ہے ، اور وہ یہ کہ ہمارے ہاں ایک خاص طبقے کے لوگ مدّتوں

سے یہ کہتے چلے آرہے ہیں کہ شیعوں کے عقائدی ادب میں تقلید کا کہیں ذکر ہی نہیں ! مگر جس تفسیر پر گفتگو ہو رہی ہے اس میں تقلید اور اجتہاد کے مسئلے کو امامِ معصومؑ کی زبانِ اقدس سے بیان کیا گیا ہے اور وہ بھی بڑے شد و مد کے ساتھ ، صاف شفاف انداز میں !

اب یہ سب کچھ دیکھتے ہوئے یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ زیرِ بحث تفسیر کے ساتھ غیر مقلد حلقوں کی جانب سے شعوری یا غیر شعوری طور پر انصاف نہیں کیا گیا ۔

اس وقت ہمارے پاس اس کتاب کے بارے میں جو تنقیدی وثائق موجود ہیں ، ان کی تعداد بیالیس ہے ۔

ان میں سے بارہ (۱۲) میں تو مخالفانہ رائے ملتی ہے ، اور تیس (۳۰) میں موافقت ہی موافقت نظر آتی ہے ۔

منفی افکار والی تصانیف یہ ہیں :

﴿ ۱ ﴾ کتاب الضعفاء ، ابن الغضائری ۔

﴿ ۲ ﴾ خلاصۃ الاقوال ، علامہ حلی ۔

﴿ ۳ ﴾ نقد الرجال ، التفرشی ۔

﴿ ۴ ﴾ شارع النجاۃ ، محقق داماد ۔

﴿ ۵ ﴾ منہج المقال ، خطیب استرابادی ۔

﴿ ۶ ﴾ جامع الرواۃ ، اردبیلی ۔

﴿ ۷ ﴾ مجمع الرجال ، قہپائی ۔

﴿ ۸ ﴾ آلاء الرحمٰن ، محمد جواد بلاغی ۔

﴿ ۹ ﴾ کتاب الاخبار ، محقق تستری ۔

﴿ ۱۰ ﴾ حاشیہ مجمع البیان ، میرزا ابوالحسن شعرانی ۔

﴿ ۱۱ ﴾ معجم رجال الحدیث ، آیۃ اللہ خوئی ۔

﴿ ۱۲ ﴾ فقہ الرضا ، سید محمد ہاشم خوانساری ۔

اور اب ان علمی مسائی کا تذکرہ جو مثبت رویے سے آراستہ ہیں :

﴿ ۱ ﴾ من لا یحضرہ الفقیہ ، شیخ صدوق ۔

﴿ ۲ ﴾ التوحید ، شیخ صدوق ۔

﴿ ۳ ﴾ العیون ، شیخ صدوق ۔

﴿ ۴ ﴾ الاکمال ، شیخ صدوق ۔

﴿ ۵ ﴾ الامالی ، شیخ صدوق ۔

﴿ ۶ ﴾ علل الشرائع ، شیخ صدوق ۔

﴿ ۷ ﴾ معانی الاخبار ، شیخ صدوق ۔

﴿ ۸ ﴾ الاحتجاج ، ابو منصور طبرسی ۔

﴿ ۹ ﴾ الخرائج ، قطب راوندی ۔

﴿ ۱۰ ﴾ معالم العلماء ، ابن شہر آشوب ۔

﴿ ۱۱ ﴾ مُنیۃ المُرید ، شہید ثانی ۔

﴿ ۱۲ ﴾ روضۃ المتقین ، مجلسی اول ...... محمد تقی

﴿ ۱۳ ﴾ بحار الانوار ، ج : ا ، مجلسی دوم
...... محمد باقر ۔

﴿ ۱۴ ﴾ وسائل الشیعہ ، شیخ حُر عاملی ۔

﴿ ۱۵ ﴾ اثبات الھداۃ ، شیخ حر عاملی ۔

﴿ ۱۶ ﴾ تفسیر صافی ، ملا محسن فیض کاشانی ۔

﴿ ۱۷ ﴾ تفسیر برہان ، سید ہاشم بحرانی ۔

﴿ ۱۸ ﴾ تفسیر نور الثقلین ، شیخ عبد علی حویزی۔

﴿ ۱۹ ﴾ اکلیل الرجال ، محمد جعفر خراسانی ۔

﴿ ۲۰ ﴾ الفوائد النجفیہ ، شیخ سلیمان بحرانی ۔

﴿ ۲۱ ﴾ منتہی المقال ، ابو علی ۔

﴿ ۲۲ ﴾ التعلیق علی منہج المقال ، وحید بہبہانی ۔

﴿ ۲۳ ﴾ تفسیر مرآۃ الانوار، شیخ ابوالحسن الشریف ۔

﴿ ۲۴ ﴾ اتقان المقال ، شیخ محمد طہ ۔

﴿ ۲۵ ﴾ تسلیۃ الفؤاد ، سید عبد اللہ شبر ۔

﴿ ۲۶ ﴾ نخبۃ المقال ، سید حسین بروجردی ۔

﴿ ۲۷ ﴾ صحیفۃ الابرار ، حجۃ الاسلام تبریزی ۔

﴿ ۲۸ ﴾ عوالم العلوم ، شیخ عبد اللہ بحرانی ۔

﴿ ۲۹ ﴾ فرائد الاصول ، شیخ انصاری ۔

﴿ ۳۰ ﴾ تنقیح المقال ، شیخ عبداللہ مامقانی ۔

﴿ ۳۱ ﴾ جامع احادیث الشیعہ ، آیۃ اللہ بروجردی۔

﴿ ۳۲ ﴾ الذریعہ ، ج : ۴ ، ص : ۲۸۳ ،
علامہ تہرانی ۔

اس فہرست میں جن کتابوں کے نام ہیں ، ان نامور مصنفوں نے اس تفسیر کے متعلق کہ جس کا تذکرہ ہو رہا ہے ، بہت کچھ لکھا ہے ۔ ہر رُخ کا جائزہ لیا ہے ، اور جی بھر کر تعریف و توصیف کی ہے ۔

مجلسی اول محمد تقیؒ نے روضۃ المتقین اور " فقیہ " کی فارسی شرح میں تحریر فرمایا ہے :

" وحق آنست کہ این تفسیر گنجی است
از گنج ھای حق سبحانہ و تعالیٰ ۔ "

"سچی بات تو یہ ہے کہ یہ تفسیر
حق تعالٰی کے خزانوں میں سے
ایک خزانہ ہے۔" [1]

اور مجلسی دوم، محمد باقر، بحار کی پہلی جلد کے
صفحہ: ٢٨ پر رقم طراز ہیں:

**"کتاب تفسیر الامام من الکتب المعروفة
و اعتمد الصدوق علیه۔"**

"امام حسن عسکریؑ سے منسوب تفسیر
مشہور کتاب ہے، اور جناب صدوق
جیسی شخصیت نے اس پر اعتماد فرمایا ہے۔"

---

[1] شرح فقیہ، ج: ۵، ص: ۱۴۲ - ۲۱۳

نیز صاحبِ وسائل الشیعہ ، شیخ حر عاملی نے اسے
اپنے فقہی دائرۃ المعارف "وسائل" کا ماخذ قرار دیا ہے ۔
اسی طرح مانے ہوئے محقق سید عبداللہ شبر نے بھی
اس تفسیر کو اپنے علمی کارناموں کی اساس بتایا ہے ۔
اور آیۃ اللہ بروجردی فرماتے ہیں کہ :
" میں بھی تفسیرِ عسکری ؑ کے خوشہ چینوں
میں سے ہوں ۔"

اجتہاد
کی
سرگزشت

پہلے یہ جاننا ضروری ہے کہ اجتہاد ہے کیا چیز؟ تاکہ اس کے تمام پہلوؤں کے سمجھے میں آسانی ہو ۔

یہ لفظ جُہد یا جَہد سے بنا ہے ، اور تمام جانے پہچانے لغت شناس کہتے ہیں کہ اگر جُہد پیش کے ساتھ پڑھا جائے تو یہ طاقت اور قوت کے معنی دیتا ہے ، اور زبر لگا دیا جائے تو پھر اس لفظ میں محنت و مشقت کا مفہوم پیدا ہوجائے گا ۔

قرآن مجید میں بھی یہ کئی شکلوں میں مختلف موقعوں پر استعمال ہوا ہے ۔ نیز راغب اصفہانی ، فراء اور زبیدی جیسے عربی زبان کے مزاج داں بھی یہی بتاتے ہیں کہ یہ لفظ یا تو ذہنی توانائی صرف کرنے کے موقع پر استعمال ہوتا ہے اور یا پھر جانفشانی کا حال بیان کرنے کی غرض سے کام میں لایا جاتا ہے ۔

اب رہی اجتہاد کی بات ، تو اس معاملہ میں پہلی وضاحت تو یہ ہے کہ اجتہاد کا تعلق اصولِ فقہ کے علم سے ہے ۔ اور اصول فقہ ان قواعد و ضوابط کا نام ہے جن کی مدد سے ایک فقیہ شریعت کے مطلوبہ فیصلے تک پہنچ پاتا ہے ۔

یعنی ، زندگی کے فرائض و اعمال کے سلسلے میں

مانی ہوئی علمی روش اور پختہ دلیلوں کے ذریعے بھرپور کوشش سے کسی مسئلے کا حل دریافت کرنے کو اجتہاد اور یا پھر اس طرح کی تلاش اور مطلب تک پہنچنے کے لیے استنباط کی اصطلاح استعمال ہوتی ہے ۔ [۱]

اچھا ! اب اس مرحلے پر اجتہاد کے بارے میں ذرا کھل کر گفتگو ہوجائے ۔ دیکھیے ! عرض کیا جا چکا ہے کہ حیات و کائنات کے حوالے سے نئی باتوں یا تازہ واقعات کے بارے میں فقہی ذہن رکھنے والی

---

[۱] شہر قم کے حوزۂ علمیہ کو پروان چڑھانے والے فقیہ شیخ عبد الکریم حائری (متوفی ۱۳۵۵ھ) نے اصول فقہ کو یوں سمجھایا ہے : "فاعلم ان علم الاصول ھو العلم بالقواعد الممھدة لکشف حال الاحکام الواقعیة بافعال المکلفین ...... "

" معلوم ہونا چاہیے کہ علم اصول دانش و آگہی کے ان کارساز قاعدوں کو کہتے ہیں جن کے سہارے تلاش کرنے والوں کو علمی مسائل کا نپا تلا جواب حاصل ہو جائے ۔"

درر الفوائد : جز : ۱ ، ص : ۳۱ ، طبع موسسۃ النشر الاسلامی ، قم ۔

ہستیاں موضوع سے تعلق رکھنے والے ثبوت اکٹھا کر کے، پیش نظر معاملے کے لیے شرعی حکم ڈھونڈھ نکالنے کی سعی کرتی رہتی ہیں۔

کیونکہ معصومینؑ کے برکتوں والے زمانے میں تو ہر سائل براہِ راست دامنِ مراد بھر لیتا تھا، لیکن وقت بدلا اور رہنمائی کے مرکز ہدایت تک سب کی رسائی ممکن نہ رہی!

پھر وہ بزرگ جو امامؑ اور عوام کے درمیان رابطے اور واسطے کا کام دیتے تھے، نیز جن بزرگوں پر پورا بھروسہ کیا جاتا تھا، رفتہ رفتہ وہ بھی رخصت ہوگئے! اس کے علاوہ احکام کے بیان میں ذریعے بڑھتے گئے۔ نتیجۃً ہر حکم کی چھان بین ضروری ہوگئی،

کیونکہ کبھی تو حدیث کا مضمون شک کی زد میں آگیا ، گاہے زبان معیاری نہیں دکھائی دی اور کسی موقع پر راوی کی حیثیت میں شبہات پیدا ہوگئے اور کہیں سند کی بحث چھڑ گئی !

غرض کہ ہر جہت سے مسئلوں کی صحیح پہچان کم از کم عوام کے لیے آفت جان اور بلائے ایمان بننے لگی ! بنا بریں ، دیدہ ور علماء اور بصیرت رکھنے والے فقہاء نے ہمت باندھی اور اللہ کا نام لے کر اپنے معصوم رہنماؤں کے بتائے ہوئے طریقوں سے کام لینا شروع کردیا ۔

بالآخر اس اقدام نے بہت جلد ایک علمی اور عقلی تحریک کی شکل اختیار کرلی ، اور اس معبودِ برحق کے فضل و کرم سے اجتہاد کا مدرسہ کھل گیا !

یہ مہم اگر سر نہ ہوتی تو پھر شریعت نہ جانے کہاں سے کہاں پہنچ جاتی ؟! اجتہاد کے باعث فقہی ثقافت کو تحفظ ملا ۔ اس کی قدروں کو زندگی اور زندگی کو حرکت و حرارت نصیب ہوئی ۔

مگر مکتبِ اجتہاد کے سب سے بڑے اور لہجے کے نہایت کڑے نقاد ملا محمد امین استر آبادی ہانکے پکارے کہتے تھے کہ اجتہاد کا نظریہ سوادِ اعظم سے لیا گیا ہے ۔ [1]

---

[1] ایران کے جغرافیائی نقشے کے لحاظ سے دریائے اترک اور گرگان ندی کے آس پاس وہستان اور ورکان کے زرخیز علاقے میں بہت ہری بھری پہاڑیاں ہیں ۔ ان ہی میں سے جو سب سے بڑی آبادی ہے ، اس کو استرآباد کہتے ہیں ......

ملا محمد امین نے اسی شہر میں آنکھ کھولی ، یہیں پلے بڑھے اور ابتدائی تعلیم پوری کی ۔ پھر جب اعلیٰ تعلیم کے قابل ہوئے تو دانش و آگہی کے سب سے بڑے مرکز ، نجفِ اشرف کا رخ کیا ، اور یہاں سے جتنا اور جو کچھ لے سکتے تھے ، لے کر حجاز

چلے گئے ۔ ان وقتوں مکہ معظمہ میں روایتی انداز کے اور استر آباد ہی کے رہنے والے ایک دانشور ، میرزا محمد بھی وہیں ٹھہرے ہوئے تھے ۔ ملا امین موصوف سے ملے اور ملتے ہی ان کے گرویدہ اور پھر جناب کے حلقۂ درس میں شریک ہوگئے ۔ یہ بزرگ سوادِ اعظم کے ایک فقہی مسلک ظاہریہ سے کافی متاثر بلکہ اس کے دل دادہ تھے ۔

ظاہریہ طریقے کے بانی اصفہان کے ایک فقیہ ، داؤد بن علی تھے ۔ اس مکتبِ فکر کی یہ خصوصیت بہت نمایاں رہی کہ اس سے تعلق رکھنے والے امام ابوحنیفہ کے اجتہادی نظریوں کے پکے دشمن اور تقلید کے سخت مخالف تھے ۔ یہ مذہب شام و عراق کے ساتھ کے اور مدینے میں بھی خاصا مقبول تھا نیز میرزا محمد چاہتے تھے کہ یہ مکتبِ خیال شیعہ حلقوں میں بھی اچھی طرح پھولے پھلے اور دور دور تک پھیلے ۔ اس غرض سے میرزا صاحب موصوف نے اپنے شاگرد میرزا امین استر آبادی سے '' الفوائد المدنیہ '' نام کی ایک کتاب لکھوائی ۔ اس مجموعے میں علمی خوبیاں کم اور پھکڑ پن زیادہ تھا ۔

بنا بریں جب یہ تصنیف علمائے کرام تک پہنچی تو ایک ہنگامہ کھڑا ہوگیا ، اور پھر کوئی دو سو سال تک اصولی اور اخباری حلقوں میں کڑوی کسیلی باتیں ہوتی رہیں !

خدا کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے دانشوروں کے سردار آقا محمد باقر وحید بہبہانی کو ، جنہوں نے اپنے درس ، مباحث ، تصانیف اور سراپا کمال شاگردوں کے ذریعے اخباریت کے چڑھے ہوئے دریا کو پایاب کر دیا !

آقائے بہبہانی ۱۲۰۵ ھ میں شوال مکرم کی انتیس (۲۹) تاریخ ، نوے یا اکانوے برس کی عمر میں ایک بہت بڑی علمی جنگ جیت کر کربلائے معلی کے پاک دامن اور سرکارِ سید الشہداءؑ کے رواقِ اطہر میں حضورؑ کے قدموں کی طرف چین کی نیند سو گئے !

حیرت کی بات تو یہ ہے کہ موصوف کا نام اپنے وقتوں میں بھاری بھر کم دانشوروں کے ساتھ لیا جاتا تھا ، مگر پھر بھی وہ حد درجہ بے باکی سے اس پر زور دینے لگے کہ اجتہاد ، اہلِ سنت کی خصوصیات سے ہے ۔ انہوں نے ہی اس موضوع کی تخلیق میں پہل کی اور اپنا مدعا پایا ۔

دیکھیے ! سوادِ اعظم کا پورا مکتب اس بات پر مصر ہے اور فخر الدین رازی جیسے عالم بھی یہ فرماتے ہیں :

جس طرح منطق کی ایجاد ارسطو نے کی ،
اسی عنوان سے اصول فقہ کی بنیاد محمد ابن
ادریس شافعی (متوفی ۲۰۴ھ) نے ڈالی ۔ [1]

---

[1] مناقب الشافعی ، ص : ۵۷

جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نہ تو ارسطو ، عقلی دستور کے موجد تھے ؛ اور نہ شافعی ، فقہی قواعد و ضوابط کے آفریدگار ! البتہ اس موقع پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ ارسطو نے منطق کے دھندلائے ہوئے منتشر قوانین کو اجال کر انہیں ایک لڑی میں پرو دیا ۔

بس ! اسی طریقے سے شافعی نے اپنی کاوش '' الرسالہ '' میں بھی علمِ فقہ کے بعض قاعدوں کو چمکا کر رواں کر دیا ! اس بات کی توضیح و تشریح اگلے صفحوں پر ملاحظہ فرمایئے ۔

بہرحال ! یہ تو ماننا پڑے گا کہ جن قاعدوں پر گفتگو ہو رہی ہے وہ تمام کے تمام عصرِ آئمہؑ کے بعد نہیں وجود میں آئے ،

کیونکہ ،

حکم ما لا نص فیہ ...... تعارضِ ادلہ ......

ناسخ و منسوخ ...... محکم و متشابہ ......

عام و خاص ...... استصحاب ......

جواز و عدمِ جواز ...... اور افتاء و تقلید وغیرہ جیسی اصولِ فقہ میں استعمال ہونے والی اصطلاحیں ہمارے ذخیرۂ حدیث میں کثرت سے دکھائی دیتی ہیں ، اور اس سے صاف ظاہر ہے کہ آئمہ معصومینؑ کے دور میں بھی بقدرِ ضرورت "اصولِ فقہ" کے کچھ حصے معارفِ اسلامی میں شامل تھے۔

پھر فرض کیجیے ! اگر یہ مان بھی لیں کہ اصولِ فقہ کے بعض دفعات ہمارے اماموں کے بعد والے زمانے

میں سامنے آئے ہیں ، تو اس سے نفسِ مقصد پر کیا اثر پڑے گا !

یعنی ، اگر مطلب کو سمجھنے کے لیے اس زمانے کے لوگ آسانیوں کے باعث موجودہ ضابطوں کو استعمال میں نہیں لاتے تھے تو ضرورت کے باوجود ہم بھی اپنے آپ کو وقت پر ہر کام دینے والی سودمند راہ و روش سے بے نیاز سمجھیں !

”الرسالہ“

پر

ایک نظر!

اب جبکہ معروف فقیہ محمد ابن ادریس شافعی کی گرانقدر کاوش "الرسالہ" کا تذکرہ آ ہی گیا ہے تو بہتر یہ ہے کہ بے لاگ طریقے سے اس کا ذرا تفصیلی جائزہ لے لیا جائے۔

سوادِ اعظم کے بہت سے قدیم و جدید علماء کا اصرار ہے کہ علم اصول کے تمام نظریات شافعی صاحب کی تخلیقات میں سے ہیں اور الرسالہ ان کی سوچ کا نتیجہ ہے!

لیکن اسی مکتبِ فکر کے بہت سے سربرآوردہ دانشوروں کو اس بات سے شدید اختلاف ہے ۔

کچھ افاضل، اولیت کا سہرا ابوحنیفہ (متوفی ۱۵۰ ھ) کے سر باندھتے ہیں ، بعض کہتے ہیں کہ محمد ابن حسن شیبانی (متوفی ۱۸۹ ھ) نے پہل کی ، اور چند بڑے دیدہ ور ، نہایت اطمینان کے ساتھ ابو یوسف یعقوب ابن ابراہیم (متوفی ۱۸۲ ھ) کا نام لیتے ہیں ۔ [1]

دوسری بات یہ کہ ہم اگر فرض کر لیں کہ ''اصولِ فقہ'' کا علم شافعی کی ایجاد ہے تو کیا اس

---

[1] اوپر جو بیان ہوا ہے ، اس کے بارے میں ابن ندیم کی'' الفہرست '' ، ابن خلکان کی '' وفیات الاعیان '' ، زرکلی کی '' الاعلام '' ، اور ڈاکٹر محمود شہابی کی'' فوائد الاصول '' کا مطالعہ باعث اطمینان ہوگا ۔

سے مختلف مکاتب فقہ کے سربراہوں ، نیز بہت سے برجستہ فقہاء کے حق میں زیادتی نہیں ہوگی ؟

مثال کے طور پر ابوحنیفہ نعمان بن ثابت اور ان کے شہرت یافتہ شاگرد ابو یوسف ، محمد ابن حسن شیبانی ، حسن ابن زیاد لولوی (متوفی ۲۰۴ھ) اور زفر ابن ہذیل (متوفی ۱۵۸ھ) یہ سب شافعی سے پہلے مسند آرائے ایوانِ فقہ ہوئے !

اب بتایئے کہ ان سب مشاہیر کو قانون کے فلسفے یا فقہی احکام جاننے کے قواعد و ضوابط سے بے بہرہ قرار دیا جائے گا ؟ انہیں یہ نہیں معلوم تھا کہ امر ، وجوب کی علامت اور نہی کو حرمت کی دلیل مانا جاتا ہے ۔ کیا یہ عام و خاص اور مطلق و مقید کے

فرق سے بھی ناواقف تھے ؟ جواب اگر یہ ہو کہ :

ہاں ! انہیں ان امور کا علم نہیں تھا ، تو پھر فقیہ کیسے کہلائے ؟ اور اگر یہ کہا جائے کہ :

ہاں ! یہ ان سب مسائل سے آگاہ تھے ، تو پھر ماننا پڑے گا کہ یہ سب صاحب اجتہاد تھے اور جنہیں اس ہنر کا موجد بتایا جاتا ہے وہ بہت بعد کی پیداوار ہیں ۔

اچھا ! اب زیرِ بحث پیش کش " الرسالہ " کو ہم ذرا اصول کی ایک کتاب سمجھ کر بھی دیکھتے چلیں ۔ یہ چھ سو ستر (٦٧٠) صفحات کا بہت نفیس مجموعہ ہے ۔ یوں تو وقت کے کئی علماء نے اس کی شرحیں لکھی ہیں اور اس پر حاشیے چڑھائے ہیں ، مگر دسمبر ۱۹۳۵ء میں

ایک صاحبِ فکر و نظر قلم کار، احمد محمد شاکر نے، شافعی کی اس سعی جمیل پر تنقیدی نگاہ ڈالنے اور سو (۱۰۰) صفحات کا سیر حاصل مقدمہ تحریر کر کے مثالی کارنامہ انجام دیا ہے۔

شافعی نے "الرسالہ" کا کام دو دفعہ کیا ہے۔ ایک مرتبہ جب وہ بغداد میں تھے، اور دوبارہ دیارِ مصر پہنچ کر نئے سرے سے اس مہم کو تکمیل تک پہنچایا ہے۔ بغداد والے نسخے کی کہانی، کچھ یوں ہے کہ اپنے زمانے کے ایک فضل و کمال رکھنے والے شخص عبد الرحمٰن ابن مہدی نے شافعی کو ترقیم کیا کہ:

"وہ ان کے لیے ایک ایسی کتاب مرتب
کردیں جس کی مدد سے وہ قرآن کے

مطالب سمجھ سکیں ۔ قابلِ قبول روایتیں
آنکھوں کے سامنے آجائیں ۔ اجماع کی
دلیل مل جائے ، اور کتاب و سنت میں
ناسخ و منسوخ کی بات صاف سمجھ
میں آنے لگے ۔"

اب ہم اگر یہیں رُک کر اس حقیقت پر تھوڑا سا غور کریں کہ جس مجموعے پر گفتگو ہو رہی ہے ، اس کے معرضِ وجود میں آنے کا بنیادی سبب ، اصول فقہ کے مباحث کی تفہیم نہیں ، بلکہ ایک سائل کیلئے تفسیر و حدیث کے چند مسئلوں اور گنتی کی بعض عام اصولی اصطلاحوں کی ، تشریح و توضیح تھی ۔ اور اس کاوش میں اسی مانگ کو پورا کیا گیا ہے ۔ اللہ اللہ ، خیر صلاح !

ایک اور بات ، جو بزرگ اس پر مصر ہیں کہ الرسالہ ، اصول فقہ پر شافعی کی قلم کاری کا ظہورہ ہے اور اپنے عنوان کے حوالے سے ، یہ پہلا کام ہے ، اس لیے اسے اولین تصنیف قرار دیا جاتا ہے ۔

ان کی خدمت میں ہماری گزارش یہ ہے کہ اول تو زیرِ بحث ذخیرے میں کتاب کی سی شان نہیں ...... یعنی ، لکھنے والے نے یکسوئی کے ساتھ نفسِ مقصد پر ٹھیک سے توجہ نہیں دی ، یا پھر جس مضمون پر وہ طبع آزمائی کر رہے تھے ، اس پر وہ پوری گرفت نہیں رکھتے تھے ۔ مگر شافعی جیسے دانش مآب کے حق میں یہ طرزِ فکر بھی نامناسب ہے ۔

الغرض ! اس وقت ہمارے سامنے جو نقشہ ہے

اسے کتاب کے بجائے اگر طومار یا ایک لمبا چوڑا خط کہا جائے تو زیادہ اچھا ہے ۔ احمد محمد شاکر نے بھی حافظ ابن عبدالبر کے حوالے سے یہی تحریر کیا ہے ۔ عبارت کچھ یوں ہے :

علی ابن مدینی کا بیان ہے :
میں نے ابن ادریس شافعی سے کہا کہ
آپ عبدالرحمٰن ابن مہدی کو ان کے خط
کا جواب دے دیجیے ۔ وہ جواب کیلئے
سراپا اشتیاق ہیں !

" فَاَجَابَهُ الشَّافَعِیُ وَ هُوَ
کِتَابُ الرِّسَالَة ۔"

" شافعی نے اس کا جواب دیا اور وہ یہی

کتاب الرسالہ ہے ۔"

الرسالہ ، ص : ۱۱ ۔

عربی میں رسالہ خط کو کہتے ہیں اور بقول

احمد محمد شاکر :

سَمَّیْتُ "الرِّسَالَةَ فِیْ عَصْرِهٖ ،

بِسَبَبِ اِرْسَالِهٖ اِیَّاهَا

لِعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ مَهْدِیْ ۔"

" چنانچہ شافعی نے اس کا جواب دے دیا ،

اور وہ یہی لمبا چوڑا خط ہے ۔"

الرسالہ ، ص : ۱۱ ۔

اس کے علاوہ یہ حقیقت بھی نظر انداز نہیں کی

جاسکتی کہ جس تحریر کو کتاب کا نام دیا جارہا ہے وہ

شافعی کی خود نوشت نہیں ، بلکہ یہ ان کے لکھوائے ہوئے اوراق کا مجموعہ ہے !

احمد محمد شاکر ترقیم کرتے ہیں :

”وَالرَّاجِحُ أَنَّهُ اَمْلٰی کِتَابَ الرِّسَالَةِ عَلَی الرَّبِیْعِ اِمْلَاءً، کَمَا یَدُلُّ عَلٰی ذٰلِکَ قَوْلُهُ فِیْ (۳۳۷)۔“

” اس بات میں ہمیں زیادہ وزن محسوس ہوتا ہے کہ شافعی بولتے گئے ہوں گے ، اور ربیع ابن سلیمان لکھتے گئے ہوں گے ۔

چنانچہ اس دفتر کے فقرہ (۳۳۷) کی عبارت سے بھی اس کا ثبوت ملتا ہے ، جس میں املاء نویس ربیع ابن سلیمان کا بیان ہے کہ :

جب وہ قرآن مجید کی کوئی آیت لکھواتے تو اختصار کے پیشِ نظر کچھ حصہ پڑھ کر باقی چھوڑ دیتے تھے ۔

الرسالہ ، ص : ۱۲ ..

پھر جگہ جگہ " قال الشافعی " یعنی ......

" شافعی نے فرمایا " کا جملہ بھی آنکھوں کے سامنے آتا ہے ۔ اس سے اس بات کو تقویت ملتی ہے کہ ایک دانشور کو اپنے موضوع کے سلسلے میں جس قرینے ، شایانِ شان سنجیدگی ، توجہ ، یکسوئی ، دیدہ ریزی اور تخلیقی صلاحیت ظاہر کرنے پر جتنا زور دینا چاہیے ، زیرِ بحث پیش کش میں اس کی خاصی کمی نظر آتی ہے ۔ اس سے یوں لگتا ہے جیسے بڑی رواداری میں کام ہوا ہے ۔

پھر نفسِ مقصد کے لحاظ سے دیکھیے تو یہ نہیں معلوم ہوتا کہ دیدہ ور مفکر، کوئی اچھوتا کارنامہ انجام دے رہے ہیں۔

وہ اپنی سوچ بچار کے اردگرد نہ تو کہیں حدیں کھینچتے ہیں اور نہ غرض و غایت کی تفہیم کے لیے کوئی برجستہ اسلوب اختیار کرتے ہیں۔

نتیجۃً ہر مرحلے پر یوں محسوس ہوتا ہے، جیسے تفسیر کی کوئی گتھی سلجھا رہے ہیں، یا کسی حدیث کی تہہ سے کوئی باریک سا نکتہ نکالنے کی کوشش فرما رہے ہیں۔

لیکن، فکر و خیال کے اس جلوۂ صد رنگ میں اصول فقہ کے حوالے سے نہ تو اس فن کی کہیں واضح شکل دکھائی دیتی ہے اور نہ مضمون سے انصاف کی جھلک نظر

آتی ہے !

اور جب ہم کتاب نویسی کے قرینے سے جائزہ لیتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے جیسے اس مجموعے میں طرح طرح کی بہت سی خوبیاں تو ہیں ، لیکن ! روزمرہ کے مسئلوں کا حل ڈھونڈھ نکالنے کے طریقے نہ ہونے کے برابر ہیں ۔

نیز موضوع اور مواد کے لحاظ سے بھی کوئی تسلی بخش صورت نہیں دکھائی دیتی ! یوں لگتا ہے جیسے ایک مستقل اور منظم کوشش نہیں ہے ۔ کیونکہ نہ تو اس میں مسائل کا حل دریافت کرنے کے حوالے سے کچھ ہاتھ آتا ہے ، اور نا ہی کسی طرح کی تازگی اور توانائی پائی جاتی ہے !

پھر طرفہ ماجرا یہ کہ چھ سو ستر (٦٧٠) صفحوں کے

اس ضخیم مرقع ہنرمندی میں صرف چار پانچ جگہ یہ خیال پیدا ہوتا ہے کہ شاید اصل بحث اب شروع ہونے والی ہے ۔ مثلاً :

باب خبر الواحد ، باب الاجماع ، باب القیاس ، باب الاجتہاد ، باب الاستحسان ، باب الاختلاف ۔

مگر پڑھنے والے کی خوش فہمی یہاں آ کر دم توڑ دیتی ہے جہاں " الرسالہ " پر تحقیقی نگاہ ڈالنے والے دانشور محمد احمد شاکر یہ ترقیم کرتے ہیں کہ :

" اصل تحریر میں سرخی نہیں تھی ......
اس باب کو یہ سرنامہ میں نے دیا ہے ......
یہ عنوان کسی اور نے لال روشنائی سے
حاشیہ پر لکھ دیا ہے ، وغیرہ وغیرہ ۔

چلیے ! یہ بھی قبول ! مگر ، اسے کیا کہیے کہ یہ حصے بھی اتنے سکڑے سمٹے ہیں کہ مشکل ہی سے کچھ پلے پڑتا ہے ۔

اب ان احوال واقعی کے بعد بتایئے کہ الرسالہ سے کم از کم علم اصول فقہ کے سلسلے میں اخذ و استفادے ، خوشہ چینی اور کچھ حاصل کرنے کا کیا سوال پیدا ہوتا ہے ؟ پھر اس کاوش کی انفرادیت ، اولویت ، اچھوتی سوچ اور انوکھے خیال کا کون آسانی سے اعتراف کرے گا ؟

اس کے آگے کیا کہوں ، بس ! والسلام

مگر،

حقیقت

یہ ہے!

یہ کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں رہی کہ ملت اسلامیہ کے کچھ دانشوروں نے اصول فقہ کی دریافت کا سہرا امام شافعی کے سر باندھنے کی کوشش کی ہے۔

خیر! اس پر ہم خاصی گفتگو کر چکے ہیں۔ اور بعض افاضل اپنے خیال کے سہارے اس سے بھی پہلے کے دور، یعنی! آنحضرتؐ کے زمانے تک گئے ہیں اور انہوں نے اس طرزِ آگہی کو رسولِ اکرمؐ کے صحابی جناب معاذ بن جبل سے منسوب کیا ہے، جبکہ

صاحب عون المعبود ، محمد اشرف ابن علی جیسے دیدہ ور

" جوزقانی " کے حوالے سے اس نسبت کو جعلی

حدیثوں کے زمرے میں شمار کرتے ہیں ۔ [۱]

نیز قاضی عبد الجبار نے بھی اپنی کتاب " المغنی "

کی ساتویں جلد کے صفحہ ۲۰۰ پر یہی بات کہی ہے ۔

اس بحث کی مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو :

☆ ابن حزم اندلسی کی " الاحکام " ص : ۹۷۶

☆ ذہبی کی " میزان الاعتدال " ص : ۴۳۹ ؛

☆ ابن حجر عسقلانی کی " تقریب التہذیب "

ج : ۱ ، ص : ۱۴۲ ۔

☆ اور سید محمد بحر العلوم کی نہایت نفیس کتاب

---

[۱] عون المعبود ۔ صفحہ : ۲۲

" الاجتہاد و اصول و احکامہ " کے صفحات ۳۹
تا ۴۲ کا مطالعہ بے حد مفید ہوگا ۔

بہرحال ! مختلف لوگ طرح طرح کی باتیں کرتے ہیں ۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ اجتہاد کے نظریے سے متعارف کروانے کا قابلِ تحسین کارنامہ ہمارے آئمہ اطہارؑ کے دریائے علم و عرفان سے سیراب ہونے والوں نے انجام دیا ۔

نامور محقق علامہ سید حسن صدر اپنی بیش بہا کتاب " تاسیس الشیعہ لعلوم الاسلام " کے صفحہ ۳۱۰ پر رقمطراز ہیں :

" ہمارے پانچویں اور چھٹے امامؑ کے فکر انگیز
حلقۂ درس میں شریک ہونے والوں نے

اپنے سراپا کمال آموز گاروں سے اصول فقہ کی راہ و روش سیکھی ۔ آئمہ اطہارؑ کے ان سعادتمند شاگردوں نے اس موضوع کے بارے میں جن تصانیف سے اصولی ادب کی جوت جگائی ، اس سے چودہ طبق روشن ہوگئے ۔

ہشام ابن الحکم (متوفی ۱۷۹ھ) کی وقیع پیش کش "الالفاظ و مباحثھا" اس کی جیتی جاگتی دلیل ہے ۔ ان بزرگ نے سرکار صادقِ آلِ محمدؑ سے فیض حاصل کیا تھا ، دوسری ہستی ہیں تمام خوبیوں کا پیکر جناب یونس ابن عبدالرحمٰن (متوفی ۲۰۸ھ) ۔ ان کی کتاب کا نام ہے "اختلاف الحدیث و مسائلہ" ۔ [1]

---

[1] ان دونوں تصنیفوں اور صاحب تصانیف کا تذکرہ ابن ندیم (متوفی ۳۸۰ھ) کی "الفہرست" میں بھی موجود ہے ۔ ملاحظہ ہو : ص : ۲۲۳ اور ۲۷۶ ، طبع تہران : اور "رجال نجاشی" ، ج : ۲ ، ص : ۳۳۰ ۔

ان سے پہلے کسی بھی صاحبِ علم و فکر نے
اصول کے مسائل پر اس طرح قلم نہیں اٹھایا تھا ۔
بنا بریں ، ان کاوشوں کو اولیت حاصل ہوئی ، اور ان
مساعیٔ جمیلہ نے نمونے کا کام بھی دیا ۔

بہرحال ! طرح پڑ چکی تھی ، کام آگے بڑھتا
گیا ، اور پھر دنیا نے دیکھا کہ :

" صریرِ خامہ نوائے سروش بن گئی ! "

اس ضمن میں معروف کتاب شناس اور شخصیتوں
کے بارے میں گہری نظر رکھنے والے دانشور " ابن ندیم "
لکھتے ہیں :

" ہشام ابن الحکم اور یونس ابن عبدالرحمٰن
کی کمال آفرینیوں کے کچھ ہی عرصہ بعد

خاندان نو بخت کے چشم و چراغ اور
مدرسۂ اہل بیتؑ کے ایک برجستہ مفکر
ابوسہل اسمٰعیل ابن علی (متوفی ۳۱۱ ھ)
نے اپنی کاوش " الخصوص والعموم " اور
"ابطال القیاس" کے ذریعے اصول فقہ
کے ذخیرہ میں نمایاں اضافہ کیا ، اور پھر
ان کے لائق و فائق بھانجے ، ابو محمد
حسن ابن موسیٰ نوبختی نے جب
تبلیغ و تلقین کی مسند سنبھالی تو بہت سی
تصنیفات کے ساتھ اصول فقہ کے موضوع
پر کتاب " الخصوص والعموم " اور ......
" الخبر الواحد " سے اصول فقہ کے

ذخیرہ کتب کو ایک عمدہ بڑھاوا دیا ۔

غیبتِ
صُغریٰ
کا دور

ابن ندیم اپنی معلومات آفریں پیشکش ''الفہرست''
میں لکھتے ہیں :

''کچھ ہی عرصہ بعد خاندانِ نوبخت کے
چشم و چراغ اور مدرسۂ اہل بیتؑ کے
ایک برجستہ مفکر ابوسہل نے اپنی کاوش
'' الخصوص والعموم'' اور ''ابطال القیاس''
سے اصول فقہ کے ذخیرہ میں نمایاں

اضافہ کیا۔اور پھر ان کے لائق و فائق
بھانجے ابو محمد حسن ابن موسیٰ نوبختی نے
جب تبلیغ و تلقین کی مسند سنبھالی تو اور
بہت سی تحریروں کے ساتھ "الخبر الواحد
والعمل بہ" جیسی بیش بہا کتاب بھی قلمبند
کی ۔ یاد رہے کہ حسن ابن موسیٰ نے ،
حضرت امام حسن عسکریؑ کی خدمت اقدس
میں بھی حاضری کا شرف حاصل کیا تھا ۔"

اب سرکار امام منتظر عجل اللہ فرجہ الشریف کی غیبتِ صُغریٰ کا زمانہ ختم ہونے کے قریب ہے ۔ اسے وہ دور کہنا چاہیے جس میں علماء کو یہ فرصت ملی کہ وہ حدیث و تفسیر اور سیرت و اخلاق پر کام کریں ۔ فقہاء کو یہ موقع ہاتھ

آیا کہ پوری آزادی اور کامل اعتماد کے ساتھ نئے
نئے مسئلوں کا جواب دریافت کرنے کے
طور طریقوں پر توجہ دیں اور دوسرے اربابِ فکر و نظر
بزرگوں کو یہ مہلت حاصل ہوئی کہ وہ اپنی فہم و فراست
سے مناسب طور پر دین کی بقاء ، تحفظ اور استحکام کا
کارنامہ انجام دیں ۔ اہلبیتؑ سے وابستگی رکھنے والوں
کو اس دور نے یہ بھی سکھا دیا کہ وہ غیبت کے
زمانے میں انتظار کی گھڑیاں کس رنگ اور کس ڈھنگ
سے گزاریں ؟

آخری بات!

غیبتِ کبریٰ کا دور شروع ہوا۔ عراق، علم و عرفان پھیلانے کی پہلی منزل قرار پایا۔ لوگوں کو اس نظریے پر پورا وثوق ہے کہ ایمان والے جس وقت کے منتظر تھے، اب وہ اس سے دوچار ہیں اور وہ ہدایات دلوں پر نقش ہیں کہ امام عجل اللہ فرجہ الشریف کے پردۂ غیبت میں چلے جانے کے بعد لوگوں کو نائبِ امام سے فیض حاصل کرنا چاہیے۔

ممکن ہے کہ کوئی یہ معلوم کرنا چاہے کہ کیسے ظاہر ہو کہ کون شخص حضور عجل اللہ فرجہ الشریف کا نائب ہے۔ سو اس کے دو مانے ہوئے قاعدے ہمارے پاس ہیں :

ان میں سے ایک کو تعیینی کہتے ہیں اور دوسرے کے لیے توصیفی کی اصطلاح استعمال ہوئی ہے۔

تعیینی کا مطلب یہ ہے امام عجل اللہ فرجہ الشریف نے نام و نشان کے ساتھ منصبِ نیابت کے لیے کسی کا تعارف کروایا ہو۔

اور دوسرے قاعدے سے مراد یہ ہے کہ اس عہدے پر فائز ہونے والے کو ان مقررہ اوصاف اور امتیازات سے آراستہ ہونا چاہیے جن کی نشاندہی کروائی

گئی ہو ۔

پہلے قاعدے کے مطابق :

☆ جناب ابو عمرو ابن سعید ،

☆ محمد ابن عثمان عمری ،

☆ ابوالقاسم حسین بن روح اور

☆ ابوالحسن علی ابن محمد سمری

جیسے بڑے دانشمندوں ، عارفوں اور عظیم انسانوں کے اسمائے گرامی دکھائی دیتے ہیں ۔

سرکارِ امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف نے اپنے ان خاص نائبوں کا خود ہی تقرر فرمایا تھا اور پھر حضور ہی نے ۱۵ ، شعبان ۳۲۸ھ کو ابوالحسن علی ابن محمد سمری کی رحلت پر نیابتِ خاصہ کے سلسلے کو ختم کر دیا ۔

اب توصیفی طریقے سے نائب قرار پانے والوں کا دور شروع ہوا ۔ اس ضابطے پر سرکار نبی اکرمؐ سے لے کر دوسرے تمام معصومینؑ نے روشنی ڈالی ہے ۔ خصوصیت سے حضرت امام حسن عسکریؑ کا یہ ارشاد بہت بڑی دلیل ہے :

"جو فقیہ خود کو سنبھالے ہوئے ہوں ،
اپنے دین کی رکھوالی کرتے ہوں ،
خواہشاتِ نفسانی کا ساتھ نہ دیتے ہوں ،
اور خداوند عالم کے فرماں بردار ہوں ،
تو عوام کو چاہیے کہ ان کی تقلید کریں ۔"

گزشتہ صفحات پر ہم اس حدیث کے اٹھارہ مستند حوالے لکھ چکے ہیں ۔

اور خود حضرت امام زمانہ عجل اللہ فرجہ الشریف کا ارشاد ہے:

"اپنی زندگی میں جب تم نو ظہور
تازہ ایجاد شدہ مسائل سے دوچار ہو تو
ان پر عمل درآمد کے قاعدوں سے واقف
ہونے کے لیے ہماری حدیثیں بیان کرنے
والوں (فقہاء) سے رجوع کرو، کیونکہ
یہ تم پر میری حجت ہیں اور میں خدا کی
حجت ہوں۔" [1]

اچھا! ان ارشادات عالیہ کے نتیجے میں ہمارے علمی اداروں کی پیش رفت بڑھی۔ قافلہ بندی شروع ہوئی۔

---

[1] حوالہ کے لیے ملاحظہ ہو اس کتاب کا وہ حصہ جس کا عنوان ہے: "حدیث کا فیصلہ"۔

کاروان چلے اور جہاں اچھی زمین نظر آئی ، بصیرت رکھنے والوں نے وہیں پڑاؤ ڈال دیا ، مرکز بنایا ، شہرت دی اور پھر اسے ایک مثالی درسگاہ بنا کر آگے بڑھنے کا سامان فراہم کیا ۔ اس طرح عراق میں بغداد ، نجفِ اشرف ، حِلّہ ، کربلائے معلّٰی اور سامرہ میں آفاقی اہمیت رکھنے والے دانش کدے قائم ہوئے ۔

ایران کے علاقے میں قم ، ری اور اصفہان میں دانش و آگہی کے کوثر چھلکنے لگے ۔ پھر مشرقِ وسطٰی کے وہ شہر جو بازنطینی تہذیب کا گہوارہ تھے ، جیسے شام ، حلب اور جبلِ عامل وغیرہ ، یہ سب علوم آلِ محمدؐ کی آماجگاہ بن گئے ۔

شیعیانِ علی ابن ابی طالبؑ ، اس روح پرور ماحول

میں پھول رہے تھے ، پھل رہے تھے اور پھیل رہے تھے ۔ وہ بھی اس یقین کے ساتھ کہ ان میں سے کوئی بھی کہیں کی مٹی کا سودائی نہیں ۔ ہر ایک علم کا شیدائی ہے ۔ کیونکہ علم حُسن ہے ،

اور

؎
حسن جس رنگ میں ہوتا ہے ، جہاں ہوتا ہے
اہل دل کے لیے سرمایۂ جاں ہوتا ہے

ہمارے
مراجع تقلید

غیبتِ کبریٰ سے
انقلابِ اسلامی ایران تک

غیبتِ کبریٰ کا آغاز ،

چوتھی صدی ہجری میں ہوا ،

جب کہ انقلابِ اسلامی ایران کو

چودھویں صدی ہجری کے آخر میں کامیابی حاصل ہوئی

چوتھی صدی ہجری

﴿۱﴾ اسمِ گرامی : حسن بن علی

شہرت	: ابن ابی عقیل
کنیت	: ابو محمد
جائے سکونت	: عراق
سالِ وفات	: ۳۴۰ ہجری

﴿۲﴾ اسمِ گرامی : محمد بن حسن بن احمد

شہرت	: ابن ولید
کنیت	: ابو جعفر
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۳۴۳ ہجری

﴿ ۳ ﴾ اسمِ گرامی : احمد بن حسن بن احمد

شہرت	: شیبانی۔ زراری
کنیت	: ابو غالب
جائے سکونت	: کوفہ
سالِ وفات	: ۳۶۸ ہجری

﴿ ۴ ﴾ اسمِ گرامی : جعفر بن محمد

شہرت	: ابن قولویہ
کنیت	: ابوالقاسم
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۳۶۹ ہجری

﴿ ۵ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن احمد

شہرت	: ابن داؤد
کنیت	: ابوالحسن
جائے سکونت	: قم ، بغداد
سالِ وفات	: ۳۷۸ ہجری

﴿ ۶ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن علی بن حسین

شہرت	: شیخ صدوق
کنیت	: ابو جعفر ثانی
جائے سکونت	: رَے ، بغداد
سالِ وفات	: ۳۸۱ ہجری

﴿ ۷ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن احمد

شہرت	: ابن جنید
کنیت	: ابو علی
جائے سکونت	: رَے
سالِ وفات	: ۳۸۱ ہجری

پانچویں صدی ہجری

﴿ ۸ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن محمد بن نعمان

شہرت	: شیخ مفید
کنیت	: ابوعبداللہ
جائے سکونت	: بغداد
سالِ وفات	: ۴۱۳ ہجری

﴿ ۹ ﴾ اسمِ گرامی : علی بن حسین

شہرت	: سید مرتضیٰ ، علم الہدیٰ
کنیت	: ابو القاسم
جائے سکونت	: بغداد
سالِ وفات	: ۴۳۶ ہجری

۱۰ اسمِ گرامی : تقی بن نجم

شہرت	: حلبی
کنیت	: ابو صلاح
جائے سکونت	: حلب
سالِ وفات	: ۴۴۷ ہجری

۱۱ اسمِ گرامی : محمد بن حسن

شہرت	: شیخ طوسی
کنیت	: ابو جعفر ثالث
جائے سکونت	: بغداد ، نجف
سالِ وفات	: ۴۶۰ ہجری

۱۲ اسمِ گرامی : حمزۃ بن عبدالعزیز

شہرت	: سلار
کنیت	: ابو یعلی
جائے سکونت	: حلب
سالِ وفات	: ۴۶۳ ہجری

﴿ ۱۳ ﴾ اسمِ گرامی : عبد العزیز بن نحر

شہرت	: قاضی ابن براج
کنیت	: ابو القاسم
جائے سکونت	: طرابلس
سالِ وفات	: ۴۸۱ ہجری

چھٹی صدی ہجری

﴿ ۱۴ ﴾ اسمِ گرامی : حسن بن محمد

شہرت	: مفید ثانی
کنیت	: ابو علی
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۵۱۵ ہجری

﴿ ۱۵ ﴾ اسمِ گرامی : عبد الجلیل بن مسعود

شہرت	: متکلم رازی
کنیت	: ابو سعید
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۵۶۰ ہجری

۱۶ اسمِ گرامی : فضل اللہ بن علی

شہرت	: حسنی راوندی
کنیت	: ابو رضا
جائے سکونت	: کاشان
سالِ وفات	: ۵۷۰ ہجری

۱۷ اسمِ گرامی : سعید بن عبداللہ

شہرت	: راوندی
کنیت	: قطب الدین
جائے سکونت	: کاشان
سالِ وفات	: ۵۷۳ ہجری

۱۸ اسمِ گرامی : حمزہ بن علی

شہرت	: ابن زہرہ
کنیت	: ابو المکارم
جائے سکونت	: حِلّہ
سالِ وفات	: ۵۸۵ ہجری

﴿ ۱۹ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن علی حمزہ

شہرت	: طوسی مشہدی
کنیت	: ابو جعفر رابع
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۵۸۵ ہجری

﴿ ۲۰ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن احمد

شہرت	: ابن ادریس
کنیت	: ابو عبداللہ
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۵۹۸ ہجری

ساتویں صدی ھجری

﴿ ۲۱ ﴾ اسمِ گرامی : فخار بن مُعَدّ

شہرت	: موسوی
کنیت	: شمس الدین
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۶۳۰ ہجری

﴿ ۲۲ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن جعفر

شہرت	: ابن نما
کنیت	: ابو ابراہیم
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۶۴۵ ہجری

۲۳ اسمِ گرامی : علی بن موسیٰ

شہرت	: ابن طاووس
کنیت	: رضی الدین
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۶۶۴ ہجری

۲۴ اسمِ گرامی : احمد بن موسیٰ

شہرت	: ابن طاووس
کنیت	: جمال الدین
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۶۷۳ ہجری

۲۵ اسمِ گرامی : یحییٰ بن سعید بن احمد

شہرت	: ابن سعید حلی
کنیت	: ابو زکریا
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۶۹۰ ہجری

﴿ ۲۶ ﴾ اسمِ گرامی : عبدالکریم بن احمد

شہرت	: ابن طاووس
کنیت	: غیاث الدین
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۶۹۳ ہجری

آٹھویں صدی ہجری

﴿۲۷﴾ اسمِ گرامی : حسن بن یوسف

شہرت	: علامہ حلی
کنیت	: جمال الدین
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۷۲۶ ہجری

﴿۲۸﴾ اسمِ گرامی : عبدالمطلب بن محمد

شہرت	: عمیدی
کنیت	: عمید الدین
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۷۵۴ ہجری

﴿ ۲۹ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن محمد

شہرت	: قطب الدین رازی
کنیت	: ابو جعفر
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۷۶۶ ہجری

﴿ ۳۰ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن حسن

شہرت	: فخر المحققین
کنیت	: ابوطالب
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۷۷۱ ہجری

﴿ ۳۱ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن مکی

شہرت	: شہید اول
کنیت	: ابو عبداللہ
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۷۸۶ ہجری

نویں صدی ہجری

﴿۳۲﴾ اسمِ گرامی : علی بن خازن

شہرت	: حائری
کنیت	: زین الدین
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ....

﴿۳۳﴾ اسمِ گرامی : علی بن محمد بن مکی

شہرت	: فرزند شہید اول
کنیت	: ابو القاسم
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۸۱۰ ہجری

﴿ ۳۴ ﴾ اسمِ گرامی : مقداد بن عبداللہ

شہرت	: فاضلِ مقداد
کنیت	: ابو عبداللہ
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۸۲۶ ہجری

﴿ ۳۵ ﴾ اسمِ گرامی : احمد بن محمد بن فہد

شہرت	: ابن فہد حلی
کنیت	: ابو العباس
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۸۴۱ ہجری

دسویں صدی ہجری

﴿ ۳۶ ﴾ اسمِ گرامی : علی بن ہلال

شہرت	: جزائری ، شیخ الاسلام
کنیت	: ابو الحسن
جائے سکونت	: حلہ
سالِ وفات	: ۹۱۶ ہجری

﴿ ۳۷ ﴾ اسمِ گرامی : حسن بن جعفر

شہرت	: اعرج حسینی
کنیت	: بدرالدین
جائے سکونت	: جبل عامل
سالِ وفات	: ۹۳۳ ہجری

﴿ ۳۸ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن مکی

شہرت	: عاملی شامی
کنیت	: شمس الدین
جائے سکونت	: جبل عامل
سالِ وفات	: ۹۳۸ ہجری

﴿ ۳۹ ﴾ اسمِ گرامی : علی بن عبد العالی

شہرت	: عاملی میسی
کنیت	: ابو القاسم
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۹۳۸ ہجری

﴿ ۴۰ ﴾ اسمِ گرامی : علی بن حسین بن عبد العالی

شہرت	: محقق کرکی
کنیت	: ابو الحسن
جائے سکونت	: حلب ، اصفہان
سالِ وفات	: ۹۴۰ ہجری

﴿۴۱﴾ اسمِ گرامی : زین الدین بن علی

شہرت	:	شہید ثانی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	جبع شام
سالِ وفات	:	۹۶۶ ہجری

﴿۴۲﴾ اسمِ گرامی : علی بن حسین

شہرت	:	صائغ حسینی
کنیت	:	نور الدین
جائے سکونت	:	حلہ
سالِ وفات	:	۹۸۰ ہجری

﴿۴۳﴾ اسمِ گرامی : عبداللہ بن حسین

شہرت	:	یزدی
کنیت	:	نجم الدین
جائے سکونت	:	نجف
سالِ وفات	:	۹۸۱ ہجری

﴿۴۴﴾ اسمِ گرامی : علی بن ہلال

شہرت	: عامل کرکی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۹۸۴ ہجری

﴿۴۵﴾ اسمِ گرامی : حسین بن عبدالصمد

شہرت	: حارثی ، پدر شیخ بہائی
کنیت	: عزالدین
جائے سکونت	: جبلِ عامل
سالِ وفات	: ۹۸۴ ہجری

﴿۴۶﴾ اسمِ گرامی : احمد بن محمد

شہرت	: مقدس اردبیلی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۹۹۳ ہجری

﴿۴۷﴾ اسمِ گرامی : عبدالعالی بن علی

شہرت	: عامل کرکی
کنیت	: ابو محمد
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۹۹۳ ہجری

گیارھویں صدی ہجری

﴿ ۴۸ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن علی

شہرت	:	موسوی ، صاحبِ مدارک
کنیت	:	......
جائے سکونت	:	جبع شام
سالِ وفات	:	۱۰۰۹ ہجری

﴿ ۴۹ ﴾ اسمِ گرامی : حسن بن زین الدین

شہرت	:	صاحبِ معالم
کنیت	:	جمال الدین
جائے سکونت	:	جبع شام
سالِ وفات	:	۱۰۱۱ ہجری

﴿ ۵۰ ﴾ اسمِ گرامی : عبداللہ بن حسین

شہرت	: تُستری
کنیت	: عزالدین
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۲۱ ہجری

﴿ ۵۱ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن حسین

شہرت	: شیخ بہائی
کنیت	: بہاء الدین
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۳۰ ہجری

﴿ ۵۲ ﴾ اسمِ گرامی : علی بن محمد

شہرت	: طباطبائی
کنیت	: ابوالمعالی
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۰۳۱ ہجری

﴿ ۵۳ ﴾ اسمِ گرامی : ابراہیم بن علی

شہرت	: ابن مفلح
کنیت	: ابو اسحٰق
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۳۲ ہجری

﴿ ۵۴ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن حسن

شہرت	: فرزند صاحبِ معالم
کنیت	: ....
جائے سکونت	: حلب
سالِ وفات	: ۱۰۴۰ ہجری

﴿ ۵۵ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن محمد باقر

شہرت	: حسینی نائینی
کنیت	: بہاء الدین
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۴۰ ہجری

﴿ ۵۶ ﴾ اسمِ گرامی : محمد باقر بن شمس الدین

شہرت	: داماد
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۴۱ ہجری

﴿ ۵۷ ﴾ اسمِ گرامی : علی بن حجۃ اللہ

شہرت	: طباطبائی
کنیت	: شرف الدین
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۰۶۰ ہجری

﴿ ۵۸ ﴾ اسمِ گرامی : حسین بن محمد

شہرت	: سلطان العلماء
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۶۶ ہجری

﴿ ۵۹ ﴾ اسمِ گرامی : علی بن علی

شہرت	: موسوی عاملی
کنیت	: نور الدین
جائے سکونت	: جبل عامل
سالِ وفات	: ۱۰۶۸ ہجری

﴿ ۶۰ ﴾ اسمِ گرامی : محمد تقی بن مقصود

شہرت	: مجلسی اول
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۷۰ ہجری

﴿ ۶۱ ﴾ اسمِ گرامی : حسین بن حیدر

شہرت	: حسینی کرکی
کنیت	: ابو عبداللہ
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۷۷ ہجری

﴿ ۶۲ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن حیدر

شہرت	: حسنی طباطبائی
کنیت	: رفیع الدین
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۸۰ ہجری

﴿ ۶۳ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن محمد

شہرت	: قاضی سعید قمی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۰۸۰ ہجری

﴿ ۶۴ ﴾ اسمِ گرامی : محمد صالح بن احمد

شہرت	: مقدس صالح ، مازندرانی
کنیت	: ......
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۸۰ ہجری

﴿ ٦٥ ﴾ اسمِ گرامی : شیخ فخر الدین

شہرت	: طُریحی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۰۸۵ ہجری

﴿ ٦٦ ﴾ اسمِ گرامی : محمد باقر بن محمد

شہرت	: محقق سبزواری
کنیت	: ......
جائے سکونت	: سبزوار
سالِ وفات	: ۱۰۹۰ ہجری

﴿ ٦٧ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن مرتضٰی

شہرت	: ملا محسن فیض کاشانی
کنیت	: ......
جائے سکونت	: کاشان
سالِ وفات	: ۱۰۹۱ ہجری

﴿ ٦٨ ﴾ اسمِ گرامی : علی رضا بن حبیب اللہ

شہرت	: موسوی عاملی
کنیت	: ......
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۹۱ ہجری

﴿ ٦٩ ﴾ اسمِ گرامی : حسین بن محمد

شہرت	: محقق خوانساری
کنیت	: ......
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۰۹۸ ہجری

﴿ ٧٠ ﴾ اسمِ گرامی : محمد طاہر بن محمد حسین

شہرت	: قمی
کنیت	: ......
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۰۹۸ ہجری

بارھویں صدی ھجری

﴿۷۱﴾ اسمِ گرامی : علی بن محمد بن حسن

شہرت : عامل جبعی
کنیت : ......
جائے سکونت : اصفہان
سالِ وفات : ۱۱۰۳ ہجری

﴿۷۲﴾ اسمِ گرامی : محمد باقر بن محمد تقی

شہرت : علامہ مجلسی (دوم)
کنیت : ....
جائے سکونت : اصفہان
سالِ وفات : ۱۱۱۱ ہجری

﴿ ۷۳ ﴾ اسمِ گرامی : جعفر بن عبداللہ

شہرت	: حویزی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۱۱۵ ہجری

﴿ ۷۴ ﴾ اسمِ گرامی : جمال الدین بن حسین

شہرت	: آقا خوانساری
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۱۲۵ ہجری

﴿ ۷۵ ﴾ اسمِ گرامی : حسین بن حسن

شہرت	: دیلماتی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۱۲۹ ہجری

﴿ ۷۶ ﴾ اسمِ گرامی : زین الدین بن محمد

شہرت	:	عاملی جبعی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	اصفہان
سالِ وفات	:	۱۱۳۰ ہجری

﴿ ۷۷ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن حسن

شہرت	:	فاضلِ ہندی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	اصفہان
سالِ وفات	:	۱۱۳۷ ہجری

﴿ ۷۸ ﴾ اسمِ گرامی : احمد بن اسماعیل

شہرت	:	جزائری
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	نجف
سالِ وفات	:	۱۱۵۰ ہجری

﴿۷۹﴾ اسمِ گرامی : محمد بن باقر

شہرت	: رضوی قمی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان ، نجف
سالِ وفات	: ۱۱۷۰ ہجری

﴿۸۰﴾ اسمِ گرامی : اسماعیل بن محمد

شہرت	: مازندرانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان ، نجف
سالِ وفات	: ۱۱۷۳ ہجری

﴿۸۱﴾ اسمِ گرامی : یوسف بن احمد

شہرت	: بحرانی ، صاحبِ حدائق
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۱۸۶ ہجری

۸۲ اسمِ گرامی : ابوالحسن بن عبداللہ

شہرت	: موسوی جزائری
کنیت	: ......
جائے سکونت	: شوشتر
سالِ وفات	: ۱۱۹۳ ہجری

۸۳ اسمِ گرامی : محمد بن محمد

شہرت	: بیدآبادی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۱۹۷ ہجری

تیرھویں صدی ھجری

﴿۸۴﴾ اسمِ گرامی : محمد باقر بن محمد اکمل

شہرت	: وحید بہبہانی، معلم الفقہاء
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۰۸ ہجری

﴿۸۵﴾ اسمِ گرامی : مہدی بن ابی ذر

شہرت	: نراقی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: کاشان
سالِ وفات	: ۱۲۰۹ ہجری

﴿ ۸۶ ﴾ اسمِ گرامی : محمد مہدی بن مرتضٰی

شہرت : طباطبائی
کنیت : ......
جائے سکونت : نجف
سالِ وفات : ۱۲۱۲ ہجری

﴿ ۸۷ ﴾ اسمِ گرامی : اسد اللہ بن اسماعیل

شہرت : شوشتری، کاظمی
کنیت : ....
جائے سکونت : کاظمین
سالِ وفات : ۱۲۲۰ ہجری

﴿ ۸۸ ﴾ اسمِ گرامی : جعفر بن خضر

شہرت : کاشف الخطاء
کنیت : ....
جائے سکونت : نجف
سالِ وفات : ۱۲۲۸ ہجری

﴿۸۹﴾ اسمِ گرامی : ابو القاسم بن محمد حسن

شہرت	:	میرزای قمی، صاحب قوانین
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	قم
سالِ وفات	:	۱۲۳۱ ہجری

﴿۹۰﴾ اسمِ گرامی : علی اکبر بن محمد باقر

شہرت	:	ایجی اصفہانی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	اصفہان
سالِ وفات	:	۱۲۳۱ ہجری

﴿۹۱﴾ اسمِ گرامی : محسن بن حسن

شہرت	:	کاظمینی، محقق اعرجی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	نجف
سالِ وفات	:	۱۲۴۰ ہجری

﴿۹۲﴾ اسمِ گرامی : محمد بن علی

شہرت	: طباطبائی، سید مجاہد
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف ، اصفہان
سالِ وفات	: ۱۲۴۲ ہجری

﴿۹۳﴾ اسمِ گرامی : احمد بن مہدی

شہرت	: نراقی ، مولیٰ احمد
کنیت	: ....
جائے سکونت	: کاشان
سالِ وفات	: ۱۲۴۴ ہجری

﴿۹۴﴾ اسمِ گرامی : محمد شریف بن حسن علی

شہرت	: شریف العلماء
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۴۵ ہجری

﴿ ۹۵ ﴾ اسمِ گرامی : ابراہیم بن محمد

شہرت	: موسوی قزوینی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۴۶ ہجری

﴿ ۹۶ ﴾ اسمِ گرامی : موسیٰ بن جعفر

شہرت	: کاشف الغطاء
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۵۶ ہجری

﴿ ۹۷ ﴾ اسمِ گرامی : محمد باقر بن محمد تقی

شہرت	: شفتی ، حجة الاسلام
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۲۶۰ ہجری

﴿ ۹۸ ﴾ اسمِ گرامی : محمد ابراہیم بن محمد

شہرت	: کلباسی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۲۶۲ ہجری

﴿ ۹۹ ﴾ اسمِ گرامی : حسن بن جعفر

شہرت	: نجفی، صاحب انوار الفقاھۃ
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۶۲ ہجری

﴿ ۱۰۰ ﴾ اسمِ گرامی : سید محمد بن صالح

شہرت	: سید صدر الدین عاملی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۶۳ ہجری

﴿۱۰۱﴾ اسمِ گرامی : جعفر بن سیف الدین

شہرت	: استرآبادی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: تہران
سالِ وفات	: ۱۲۶۳ ہجری

﴿۱۰۲﴾ اسمِ گرامی : محمد حسن بن باقر

شہرت	: نجفی ، صاحبِ جواہر
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۶۶ ہجری

﴿۱۰۳﴾ اسمِ گرامی : حسن بن علی

شہرت	: واعظ اصفہانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۲۷۳ ہجری

﴿ ۱۰۴ ﴾ اسمِ گرامی : مرتضیٰ بن محمد

شہرت	: شیخ انصاری
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۸۱ ہجری

﴿ ۱۰۵ ﴾ اسمِ گرامی : عبدالحسین بن علی

شہرت	: شیخ العراقین
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۸۶ ہجری

﴿ ۱۰۶ ﴾ اسمِ گرامی : سید محمد بن عبدالصمد

شہرت	: شہشہانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۲۸۹ ہجری

۱۰۷ اسمِ گرامی : حسین بن محمد

شہرت	: کوہ کمرہ ای
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۲۹۹ ہجری

چودھویں صدی ہجری

﴿ ۱۰۸ ﴾ اسمِ گرامی : حسین بن محمد اسماعیل

شہرت	: اردکانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: کربلا
سالِ وفات	: ۱۳۰۲ ہجری

﴿ ۱۰۹ ﴾ اسمِ گرامی : محمد بن محمد باقر

شہرت	: فاضلِ ایروانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۰۶ ہجری

﴿ ۱۱۰ ﴾ اسمِ گرامی : سید ابوالقاسم بن حسن

شہرت	: طباطبائی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: کربلا
سالِ وفات	: ۱۳۰۹ ہجری

﴿ ۱۱۱ ﴾ اسمِ گرامی : محمد حسن بن محمود

شہرت	: میرزای شیرازی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: سامرہ
سالِ وفات	: ۱۳۱۲ ہجری

﴿ ۱۱۲ ﴾ اسمِ گرامی : ابوالمعالی بن محمد ابراہیم

شہرت	: کرباسی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۳۱۵ ہجری

۱۱۳ اسمِ گرامی : محمد بن فضل

شہرت	: فاضلِ شربیانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۲۲ ہجری

۱۱۴ اسمِ گرامی : محمد حسن بن عبداللہ

شہرت	: مامقانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۲۳ ہجری

۱۱۵ اسمِ گرامی : سید ابوالقاسم بن معصوم

شہرت	: اشکوری
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۲۵ ہجری

﴿۱۱۶﴾ اسمِ گرامی : محمد کاظم بن حسین

شہرت	: آخوند خُراسانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۲۹ ہجری

﴿۱۱۷﴾ اسمِ گرامی : محمد تقی بن محمد باقر

شہرت	: آقا نجفی اصفہانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۳۲ ہجری

﴿۱۱۸﴾ اسمِ گرامی : محمد کاظم بن عبدالعظیم

شہرت	: طباطبائی یزدی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۳۷ ہجری

۱۱۹ اسمِ گرامی : محمد تقی بن محبّ علی

شہرت	: مرزا دوم شیرازی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۳۸ ہجری

۱۲۰ اسمِ گرامی : فتح اللہ بن محمد جواد

شہرت	: نمازی شیرازی ، شریعتمدار
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۳۹ ہجری

۱۲۱ اسمِ گرامی : احمد بن علی

شہرت	: نجفی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۴۰ ہجری

﴿۱۲۲﴾ اسمِ گرامی : محمد بن محمد تقی

شہرت	: ارباب
کنیت	: ....
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۳۴۱ ہجری

﴿۱۲۳﴾ اسمِ گرامی : محمد صادق بن حسین

شہرت	: اصفہانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۳۴۸ ہجری

﴿۱۲۴﴾ اسمِ گرامی : ابوالقاسم بن محمد تقی

شہرت	: کبیر
کنیت	: ....
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۳۵۳ ہجری

﴿ ۱۲۵ ﴾ اسمِ گرامی : ابوالقاسم

شہرت	: دھکردی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: اصفہان
سالِ وفات	: ۱۳۵۳ ہجری

﴿ ۱۲۶ ﴾ اسمِ گرامی : محمد حسین

شہرت	: نائینی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۳۵۵ ہجری

﴿ ۱۲۷ ﴾ اسمِ گرامی : عبدالکریم بن محمد جعفر

شہرت	: حائری، مؤسسِ حوزۂ علمیۂ قم
کنیت	: ....
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۳۵۵ ہجری

﴿ ۱۲۸ ﴾ اسمِ گرامی : ابوالحسن

شہرت	:	انگجی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	آذربائیجان
سالِ وفات	:	۱۳۵۷ ہجری

﴿ ۱۲۹ ﴾ اسمِ گرامی : ضیاء الدین

شہرت	:	عراقی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	نجف
سالِ وفات	:	۱۳۵۹ ہجری

﴿ ۱۳۰ ﴾ اسمِ گرامی : محمد حسین بن محمد حسن

شہرت	:	کمپانی، غروی اصفہانی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	نجف
سالِ وفات	:	۱۳۶۱ ہجری

﴿ ۱۳۱ ﴾ اسمِ گرامی : رضا بن محمد حسین

شہرت	:	مسجد شاھی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	اصفہان
سالِ وفات	:	۱۳۶۲ ہجری

﴿ ۱۳۲ ﴾ اسمِ گرامی : سید ابوالحسن بن محمد

شہرت	:	مسجد شاھی، اصفہانی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	اصفہان
سالِ وفات	:	۱۳۶۵ ہجری

﴿ ۱۳۳ ﴾ اسمِ گرامی : سید حسین

شہرت	:	طباطبائی، قمی
کنیت	:	....
جائے سکونت	:	نجف
سالِ وفات	:	۱۳۶۶ ہجری

﴿۱۳۴﴾ اسمِ گرامی : محمد تقی بن اسداللہ

شہرت	: خوانساری
کنیت	: ....
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۳۷۱ ہجری

﴿۱۳۵﴾ اسمِ گرامی : محمد بن علی

شہرت	: کوہ کمرہ ای، حجت
کنیت	: ....
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۳۷۲ ہجری

﴿۱۳۶﴾ اسمِ گرامی : صدرالدین بن اسماعیل

شہرت	: صدر
کنیت	: ....
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۳۷۲ ہجری

۱۳۷ اسمِ گرامی : سید حسین بن علی

شہرت : حمامی
کنیت : ....
جائے سکونت : نجف
سالِ وفات : ۱۳۷۹ ہجری

۱۳۸ اسمِ گرامی : سید جمال الدین بن حسین

شہرت : موسوی گلپائیگانی
کنیت : ....
جائے سکونت : نجف
سالِ وفات : ۱۳۷۹ ہجری

۱۳۹ اسمِ گرامی : سید محمد حسین بن علی

شہرت : طباطبائی، بروجردی
کنیت : ....
جائے سکونت : قم
سالِ وفات : ۱۳۸۱ ہجری

﴿ ١٤٠ ﴾ اسمِ گرامی : محمد حسین

شہرت	: آلِ کاشف الغطاء
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ١٣٨٢ ہجری

﴿ ١٤١ ﴾ اسمِ گرامی : سید محسن بن مہدی

شہرت	: طباطبائی حکیم
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ١٣٩٠ ہجری

پندرھویں صدی ھجری

﴿ ۱۴۲ ﴾ اسمِ گرامی : سید روح اللہ بن مصطفیٰ

شہرت	: موسوی خمینی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف ، قم
سالِ وفات	: ۱۴۰۹ ہجری

﴿ ۱۴۳ ﴾ اسمِ گرامی : سید ابوالقاسم بن علی

شہرت	: موسوی خوئی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: نجف
سالِ وفات	: ۱۴۱۳ ہجری

﴿ ۱۴۴ ﴾ اسمِ گرامی : سید محمد رضا بن محمد باقر

شہرت	: موسوی گلپائیگانی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۴۱۴ ہجری

﴿ ۱۴۵ ﴾ اسمِ گرامی : محمد علی

شہرت	: اراکی
کنیت	: ....
جائے سکونت	: قم
سالِ وفات	: ۱۴۱۵ ہجری

کتاب

نامه

۱۔ القرآن الکریم

لغت :

﴿ ۱ ﴾ تاج العروس فی شرح القاموس ، السید محمد مرتضیٰ الزبیدی ، طبع : الخیریۃ ، مصر ۱۳۰۲

﴿ ۲ ﴾ مصباح المنیر ، احمد بن محمد الفیومی، ط : ایران

﴿ ۳ ﴾ مفردات ، راغب الاصفہانی ، ط : بیروت

﴿ ۴ ﴾ المنجد ، للاب لویس الیسوعی ، ط : بیروت

﴿ ۵ ﴾ الصحاح ، اسماعیل بن حماد الجوہری ، ط : مصر ، دار الکتاب العربی ، ۱۳۷۲

﴿ ٦ ﴾ القاموس المحیط ، مجد الدین الفیروز آبادی
ط : البابی ، مصر
﴿ ٧ ﴾ لسان العرب ، محمد بن جلال الدین ابن منظور
متوفی : ١١٧ ہجری

٢۔ فقه و حدیث

﴿ ٨ ﴾ ادوار الفقه ، محمود شهابی ، ط : تهران ١٣٣٦
﴿ ٩ ﴾ اصول الکافی ، ابو جعفر الکلینی الرازی ،
ط : حیدری ، تهران ١٣٧٩
﴿ ١٠ ﴾ الانتصار ، السید مرتضیٰ علم الهدیٰ ، ط : ایران
﴿ ١١ ﴾ بدایة المجتهد ، محمد بن احمد بن محمد بن رشد القرطبی،
ط : الاستقامة ، مصر
﴿ ١٢ ﴾ تحفة الفقهاء ، السمرقندی الحنفی ، ط : دار الفکر
دمشق ١٩٦٤ء

﴿ ۱۳ ﴾ الحدائق الناضرة ، الشیخ یوسف البحرانی ،
ط : لنجف
﴿ ۱۴ ﴾ الروضة البہیة فی شرح اللمعة الدمشقیة ،
للشہید زین الدین العاملی ، ط : دار الکتب ،
مصر ۱۳۷۸
﴿ ۱۵ ﴾ شرائع الاسلام ، المحقق الحلی ، ط : ایران
﴿ ۱۶ ﴾ صحیح بخاری ، محمد بن اسماعیل البخاری ،
ط : المیمنتیہ مصر
﴿ ۱۷ ﴾ صحیح مسلم ، مسلم بن الحجاج ، ط : صبیح ، مصر
﴿ ۱۸ ﴾ العروۃ الوثقیٰ ، السید محمد کاظم الطباطبائی الیزدی
ط : الحیدری ، تہران ۱۳۷۷
﴿ ۱۹ ﴾ عون المعبود فی شرح سنن ابن ابی داؤد ،
محمد اشرف بن امیر بن علی ۔

﴿ ٢٠ ﴾ الفقہ الاسلامی ، الدکتور محمد یوسف موسیٰ ،
ط : دار الکتاب ، مصر ۔
﴿ ٢١ ﴾ المبسوط ، شمس الدین السرخسی، محمد بن ابی سہل
ط : السعادة ، القاہرة ١٣٢٤ ۔
﴿ ٢٢ ﴾ المحلی ، ابن حزم الاندلسی ، فقہ زیدی ،
ط : النہضة ، مصر ١٣٤٧ ۔
﴿ ٢٣ ﴾ مستمسک العروة الوثقیٰ ، السید محسن الحکیم ،
ط : النجف ١٣٧٦ ۔
﴿ ٢٤ ﴾ مسالک الافہام، الشہید الثانی ، ط : ایران ١٢٦٨
﴿ ٢٥ ﴾ مستند الشیعہ ، احمد بن محمد النراقی ، ط : ایران
﴿ ٢٦ ﴾ موطأ مالک ، مالک بن انس ، ط : البابی ،
القاہرة ١٣٦٠ ۔
﴿ ٢٧ ﴾ منیة المرید فی آداب المفید و المستفید ،
الشہید الثانی ، ط : بمبئی

﴿ ۲۸ ﴾ نہج الفقاهة، السید محسن الحکیم ، ط : العلمیه ، النجف ۱۳۷۱ ۔

﴿ ۲۹ ﴾ نیل الاوطار، محمد بن علی الشوکانی ، ط : البابی و اولاده ، مصر ۔

﴿ ۳۰ ﴾ وسائل الشیعه ، الشیخ محمد بن الحسن الحر العاملی ط : دار مصر ۱۹۵۷ء ۔

۳۔ اصول فقہ

﴿ ۳۱ ﴾ الاجتهاد فی الاسلام ، محمد مصطفیٰ المراغی ، ط : دارالاجتهاد ، القاهرة ۱۳۷۹

﴿ ۳۲ ﴾ الاجتهاد فی الشریعة بین السنة و الشیعة ، الشیخ محمد حسین کاشف الغطاء ، ط : مجلة رسالة الاسلام القاهرة ۔

﴿ ۳۳ ﴾ الاجتہاد والتقلید، المرحوم الشیخ محمد حسین الاصفہانی
ط : النجف ۱۳۷۶ ۔
﴿ ۳۴ ﴾ الاجماع فی التشریع الاسلامی، السید محمد صادق
الصدر ، ط : عویدات ، بیروت ۱۳۸۸
﴿ ۳۵ ﴾ الاحکام فی اصول الاحکام، ابی محمد علی بن حزم
الاندلسی الظاہری ، ط : الامام ، مصر ۔
﴿ ۳۶ ﴾ الاحکام فی اصول الاحکام ، علی بن ابی علی
بن محمد الامدی، ط: الحلبی، القاہرۃ ۱۹۶۷ء
﴿ ۳۷ ﴾ ارشاد الفحول الی تحقیق الحق من علم الاصول ،
محمد بن علی بن محمد الشوکانی الزبیدی ،
المتوفی : ۱۲۵۵ ، ط : البابی ، مصر ۱۳۵۶
﴿ ۳۸ ﴾ اصول السرخسی ۴۹۰ ، ط : دار الکتاب العربی
مصر ۱۳۷۳ ۔

﴿ ۳۹ ﴾ الاصول العامة للفقه المقارن، السید محمد تقی الحکیم
ط : دار اندلس ، بیروت ۱۹۶۳ء ۔
﴿ ۴۰ ﴾ اصول الفقه ، بدران ابوالعینین بدران ،
ط : دار المعارف ، مصر ۱۹۵۶ء
﴿ ۴۱ ﴾ اصول الفقه، عباس متولی حماده ، ط : دار التالیف
مصر ۱۳۸۵ ۔
﴿ ۴۲ ﴾ اصول الفقه ، الشیخ محمد ابو زہرۃ ،
ط : دار الثقافۃ العربیۃ للطباعۃ ، مصر ۱۳۷۷
﴿ ۴۳ ﴾ اصول الفقه، الشیخ محمد الخضری ، ط : السعادۃ
مصر ۱۳۸۳ ۔
﴿ ۴۴ ﴾ اصول الفقه ، الشیخ محمد رضا مظفر ، ط : النجف
﴿ ۴۵ ﴾ اصول الفقه الجعفری ، الشیخ محمد ابو زہرۃ ،
ط : مخیمر ، القاہرۃ ۱۹۵۵ء ۔

﴿ ۴۶ ﴾ بحر الفوائد فی شرح الفرائد ، میرزا محمد حسن الاشتیانی ، ط : تہران ۔

﴿ ۴۷ ﴾ بدایع الافکار ، تقریر الشیخ ضیاء الدین العراقی ، تالیف : میرزا ہاسم الآملی ، ط : العلمیۃ ، النجف ۔

﴿ ۴۸ ﴾ تذکرۃ فی اصول الفقہ ، الشیخ المفید ، ط : ضمن کنز الفوائد للکراجکی ، ایران ۱۳۲۲

﴿ ۴۹ ﴾ تہذیب الاصول، تقریرات السید روح اللہ الخمینی بقلم الشیخ جعفر السبحانی التبریزی ، ط : العلمیۃ ۱۳۸۲ ۔

﴿ ۵۰ ﴾ تہذیب الوصول الی علم الاصول ، العلامۃ الحلی ط : تہران ۱۳۰۸ ۔

﴿ ۵۱ ﴾ زبدۃ الاصول ، الشیخ بہاء الدین العاملی ، المتوفی ۱۰۳۱ ، ط : ایران ۱۲۶۷ ۔

﴿ ۵۲ ﴾ شرح کفایة الاصول ، الشیخ عبدالحسین الرشتی

ط : الحیدریه ، النجف ۱۳۷۰ ـ

﴿ ۵۳ ﴾ شرح الکوکب المنیر فی اصول الحنابلة ،

محمد بن احمد الفتوحی الحنبلی (اصولِ حنبلی)

ط : السنة المحمدیه ، القاهرة ۱۹۵۳ء ـ

﴿ ۵۴ ﴾ شرح المنار، عبداللطیف بن عبد العزیز بن الملک

ط : العثمانیه ، استنبول ۱۳۱۵ ہجری ـ

﴿ ۵۵ ﴾ العدة فی الاصول، الشیخ ابی جعفر محمد بن الحسن

الطوسی ، ط : ایران ـ

﴿ ۵۶ ﴾ علم اصول الفقه ، عبد الوهاب خلاف ،

ط : النصر ، مصر ۱۹۵۶ء

﴿ ۵۷ ﴾ فرائدالاصول (الرسائل)، الشیخ المرتضیٰ الانصاری

ط : ایران ـ

﴿ ٥٨ ﴾ الفروق ، احمد بن ادریس الصنہاجی المعروف بالقرافی ، ط : دار احیاء الکتب ، مصر ١٣٤٤

﴿ ٥٩ ﴾ فوائد الاصول، الشیخ محمد علی الکاظمی،ط : العلمیة النجف ١٣٦٨ ۔

﴿ ٦٠ ﴾ القوانین المحکمة ، میرزا ابوالقاسم القمی ، ط : ایران ١٣٠٢ ہجری ۔

﴿ ٦١ ﴾ کفایة الاصول ، الشیخ محمد کاظم الخراسانی ، ط : بغداد ١٣٢٨ ۔

﴿ ٦٢ ﴾ مبانی الاستنباط ، تقریرات السید الخوئی ، السید ابوالقاسم التبریزی ، ط : النجف ١٣٧٧

﴿ ٦٣ ﴾ المعالم الجدیدة فی الاصول،السید محمد باقر الصدر ط : النعمان ، النجف ١٣٨٥ ۔

﴿ ٦٤ ﴾ ملخص ابطال القیاس والرأی والاستحسان ، ابن حزم الاندلسی ٤٥٦ ہجری ، ط : جامعة دمشق ١٩٦٠ تحقیق : سعید الافغانی ۔

﴿ ۶۵ ﴾ مقالات الاصول ، الشیخ آقا ضیاء العراقی ،
ط : العلمیة ، النجف ۱۳۵۸ ۔
﴿ ۶۶ ﴾ رسالة الامام الشافعی ، محمد بن ادریس الشافعی
ط : البابی ، القاہرة ۱۳۵۸ ۔
﴿ ۶۷ ﴾ المستصفیٰ من علم الاصول ، ابوحامد محمد بن محمد
الغزالی الشافعی ، ط : مصطفیٰ محمد ، مصر ۱۳۵۶
﴿ ۶۸ ﴾ معالم الاصول ، الشیخ حسن بن الشہید الثانی
ط : تہران ۱۳۸۷ ۔
﴿ ۶۹ ﴾ فلسفة التشریع فی الاسلام، صحی المحمصانی المحامی
ط : دار العلم للملایین ، بیروت ۱۹۶۱ء ۔
﴿ ۷۰ ﴾ فی میدان الاجتہاد ، عبد المتعال الصعیدی ،
ط : القاہرة ۔

٤۔ رجال و تاریخ

﴿ ۷۱ ﴾ الاعلام ، خیر الدین الزرکلی ، ط : بیروت ۔
﴿ ۷۲ ﴾ الامام زید، محمد ابو زہرہ ، ط : دار الثقافة ، مصر ۔
﴿ ۷۳ ﴾ الامام الصادق (ع) ، الشیخ اسد حیدر ، ط : النجف
﴿ ۷۴ ﴾ الامام الصادق ، محمد ابو زہرة ، ط : دار الثقافة ، مصر
﴿ ۷۵ ﴾ اعیان الشیعہ ، السید محسن الامین العاملی ، ط : بیروت
﴿ ۷۶ ﴾ امل الامل ، محمد بن الحسن الحر العاملی ، ط : الآداب ، النجف ۱۳۸۰
﴿ ۷۷ ﴾ تقریب التہذیب ، ابن حجر عسقلانی ، ط : دار الکتب العربی ، مصر ۱۳۸۰

﴿ ۷۸ ﴾ تہذیب التہذیب ، ابن حجر عسقلانی ،
ط : دار صادر ، بیروت
﴿ ۷۹ ﴾ حلیۃ الاولیاء ،الحافظ احمد بن عبداللہ الاصفہانی
ط : دار الکتاب العربی ، بیروت ۱۹۶۷ء
﴿ ۸۰ ﴾ رجال النجاشی، احمد بن علی بن العباس النجاشی
المتوفی ۴۰۵ ، ط : مصطفوی ، ایران ۔
﴿ ۸۱ ﴾ روضات الجنات ، الخوانساری المیرزا احمد باقر
ط : ایران ۱۳۴۷
﴿ ۸۲ ﴾ سلافۃ العصر ، السید علی صدر الدین المدنی ،
ط : مطابع علی بن علی ، قطر ۱۳۸۲
﴿ ۸۳ ﴾ شذرات الذھب ، ابن عماد الحنبلی ، القدسی
مصر ۱۳۵۰
﴿ ۸۴ ﴾ طبقات الشافعیۃ ، تاج الدین ابی نصر السبکی
متوفی ۷۷۱ ، ط : مصر ۱۹۶۳ء

﴿ ۸۵ ﴾ طبقات الفقہاء ، ابو اسحٰق الشیرازی ،
ط : بغداد ۱۳۵۶
﴿ ۸۶ ﴾ حصول المأکول من علم الاصول ، محمد صدیق
حسن خان ، ط : مصطفیٰ محمد ، القاہرۃ ۱۳۵۷
﴿ ۸۷ ﴾ الحق المبین فی تصویب المجتہدین و
تخطئۃ الاخباریین ، الشیخ جعفر آلِ کاشف الغطاء
ط : ایران
﴿ ۸۸ ﴾ حقائق الاصول ، السید محسن الحکیم ،
ط : العلمیۃ ، النجف ۱۳۷۲
﴿ ۸۹ ﴾ رسالۃ الاجتہاد والاخبار ، آقای محمد باقر بن
محمد البہبہانی ، ط : ایران ۱۳۱۳
﴿ ۹۰ ﴾ الکنی والالقاب ، الشیخ عباس القمی ،
ط : الحیدریۃ ، نجف ۱۳۷۶
﴿ ۹۱ ﴾ اللباب فی معرفۃ الانساب علی بن محمد ابن الاثیر
ط : مصر

﴿ ۹۲ ﴾ لؤلؤة البحرین ، الشیخ یوسف البحرانی ، النعمان النجف ۱۹٦۵ء

﴿ ۹۳ ﴾ وفیات الاعیان ، شمس الدین ابن خلکان ، ط : السعادة ، مصر ۱۹۴۷ء

﴿ ۹۴ ﴾ اصل الشیعة و اصولها ، الشیخ محمد حسین آل کاشف الغطاء ، ط : الحیدریة ، النجف ۱۳۷۴ھ

﴿ ۹۵ ﴾ تاریخ الفقہ الاسلامی ، الدکتور محمد یوسف موسیٰ ط : دار الکتاب العربی ، مصر ۱۳۷۸

﴿ ۹٦ ﴾ تاریخ الیعقوبی ، احمد بن ابی یعقوب الکاتب المعروف بہ ابن واضح المتوفی ۲۹۲ ، ط : الحیدریة ، نجف ۱۳۸۴

﴿ ۹۷ ﴾ دائرة المعارف الاسلامیة ، جماعة من الکتاب مصر۔

﴿ ۹۸ ﴾ الدراسة العلمية و تاريخها فی النجف (بحث)
محمد بحرالعلوم ، موسوعة العتبات المقدسة ، قسم
النجف ، بیروت۔
﴿ ۹۹ ﴾ دلائل الصدق ، الشيخ محمد حسن المظفر ،
ط : الحيدرية ، بحث ۱۳۷۲
﴿ ۱۰۰ ﴾ دليل القضاء الشرعي ، محمد صادق بحرالعلوم ،
ط : النجف ۱۳۷۸
﴿ ۱۰۱ ﴾ دموع الوفاء ، السيد موسیٰ بهية ، ط : عبادان
آمال الامة ۔
﴿ ۱۰۲ ﴾ الذريعة الی تصانيف الشيعة ، الشيخ آغا بزرگ
تهرانی ، ط : تهران
﴿ ۱۰۳ ﴾ الصواعق المحرقة ، ابن حجر العسقلانی ،
ط : دار الطباعة المحمدية ، مصر
﴿ ۱۰۴ ﴾ ضحیٰ الاسلام ، احمد امين ، ط : لجنة التاليف
و التراجمة ، القاهرة ۱۳۵۷

﴿ ۱۰۵ ﴾ العقیدة والشریعة ، المستشرق جولد زیہر ،
ط : نشر دارالکاتب المصری ، القاہرة ۱۹۴۶ء
﴿ ۱۰۶ ﴾ الفہرست ، الشیخ ابو جعفر الطوسی ،
ط : الحیدریة ، نجف
﴿ ۱۰۷ ﴾ الفہرست ، محمد بن اسحٰق بن الندیم ،
ط : مصطفیٰ محمد ، القاہرة
﴿ ۱۰۸ ﴾ القضاء فی الاسلام ، دکتور عطیة مشرفة ،
ط : القاہرة ۱۹۶۶ء
﴿ ۱۰۹ ﴾ مجلة رسالة الاسلام ، اصدار دار التقریب
القاہرة ، السنة الاولیٰ ۱۳۶۸ الیٰ الثالثة
۱۳۷۰ ، ط : مخیمر ، القاهرة۔
﴿ ۱۱۰ ﴾ مجلة حضارة الاسلام
﴿ ۱۱۱ ﴾ مجلة المجمع العلمی العربی ، دمشق
﴿ ۱۱۲ ﴾ مجموع المتون ، منسوب ، ط : عمر علی آفندی
مصر ۱۳۴۷۔

﴿ ۱۱۳ ﴾ کتاب المؤتمر الاول مجمع البحوث الاسلامیۃ ،
اصدار مجمع البحوث الاسلامیۃ ، الازھر ، القاہرۃ
ط:مطابع مؤسسۃ اخبار الیوم، القاہرۃ۱۳۸۳ ـ
﴿ ۱۱۴ ﴾ المدخل للفقہ الاسلامی ، الدکتور محمد سلام مدکور
ط : العالمیۃ ، القاہرۃ ۱۳۸۶
﴿ ۱۱۵ ﴾ المدخل لدراسۃ الفقہ الاسلامی، محمد مصطفیٰ شلبی ،
ط : دار التألیف ، مصر ۱۳۷۶
﴿ ۱۱۶ ﴾ المذاہب الاسلامیۃ ، الشیخ محمد ابو زہرۃ ،
ط : النموذجیۃ ، القاہرۃ
﴿ ۱۱۷ ﴾ المغنی ، للقاضی عبدالجبار المعتزلی ،
ط : دار الکتب ، القاہرۃ ۱۳۸۲
﴿ ۱۱۸ ﴾ مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ ، محمد طاہر بن عاشور
ط : الفنیۃ ، تونس ۱۳۶۶
﴿ ۱۱۹ ﴾ مقاصد الشریعۃ الاسلامیۃ و مکارمھا، علال الفاسی
ط : دار البیضاء ، المغرب ـ

﴾ ۱۲۰ ﴿ المقدمة ، عبدالرحمٰن بن محمد بن خلدون ،
المتوفی ۸۰۸ ، ط : المکتبة التجاریة ، مصر
﴾ ۱۲۱ ﴿ مقدمة جامع السعادات ، الشیخ محمد رضا مظفر ،
جامع السعادات ، للنراقی ، ط:نجف ، النعمان
﴾ ۱۲۲ ﴿ مقدمة فی احیاء علوم الشریعة،الدکتور صبحی محمصانی
ط : دار العلم للملائین ۱۹۶۲ء
﴾ ۱۲۳ ﴿ نظرة عامة فی تاریخ الفقه الاسلامی ،
الدکتور علی حسن عبد القادر ، ط : مکتبة
القاهرة الحدیثة ، مطبعة العلوم ۱۹۵۶ ء
﴾ ۱۲۴ ﴿ النص والاجتهاد ، السید عبدالحسین شرف الدین
ط : نجف اشرف ۱۳۷۵ـ